تعلیماتِ قرآن و سُنّت اور نشأۃِ اسلامیہ کا علمبردار

سرپرست:

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب

اے۔بی۔سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر دارالعلوم ۔ ۴ — قرآن وسنّت کی تعلیمات کا علمبردار — فون نمبر رہائش ۔ ۲

جلد نمبر : ۱۱
شمارہ نمبر : ۶، ۷

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

ربیع الثانی، جمادی الاول ۱۳۹۶ھ
اپریل ۔ مئی ۱۹۷۶ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ بارہؔ روپے۔ فی پرچہ: ایک روپیہ ۲۵ پیسے
بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ۔ ہوائی ڈاک دو پونڈ

سمیع الحق [illegible] علوم حقانیہ [illegible] پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آزادیٔ نسواں کی تحریک اور اسلام

یورپ کی غلامی میں آ کر جب عالم اسلام کے ذہن و فکر اور تہذیب و اخلاق کو مغرب نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور جن دینی، علمی اور اخلاقی فتنوں نے اسلامی تہذیب و معاشرت پر یلغار کی اس میں سرفہرست ایک اہم فتنہ تحریک آزادیٔ نسواں اور مساوات مرد و زن ثابت ہوا۔ اسلام کے نظام ستر و حجاب اور عورتوں کے مقدس اور محترم مقام و منزلت اور اس پر مبنی ایک پاکیزہ خاندانی نظام کو تہ و بالا کرنے کیلئے مستشرقین یورپ، غیر مسلم مصنفین اور ہمارے ہاں کی یورپی تہذیب کو معیار حق و انصاف سمجھنے والے نام نہاد مصلحین اور ترقی پسندوں نے اس نظام کو نشانۂ تضحیک بنایا، مسلمانوں میں مغرب سے مرعوب اذہان نے مغرب کی لے میں لے ملائی کبھی تعدد ازدواج کی ہنسی اڑائی گئی، پردہ کو مشق تحقیق بنایا گیا اور کبھی مسلمان عورتوں کی مظلومیت اور قید و بند کا ماتم شروع کیا اس طرح مسلمان عورت کی ایک نہایت بھیانک، قابل رحم تصویر بنا دی گئی، برصغیر کے عہد غلامی سے طرح طرح کی آوازیں اٹھتی رہیں قیام پاکستان کے بعد عورتوں کی بے پردگی اور بے حیائی میں زبردست اضافہ ہوا عورت کو اس کے مقام حیا و عفت سے ہٹانے کی مساعی ہوتی رہیں، مگر ایک دعوت اور تحریک کی شکل میں یہ کام بھی پچھلے دو ایک سال سے بڑی تیزی سے بڑھنے لگا۔ پچھلے سال کو خواتین کا عالمی سال کہا گیا، پاکستان بھی اس مہم میں پوری اقوام سے پیچھے نہ رہا یہاں تک کہ پاکستان کی اعلیٰ خواتین کے ایک وفد نے میکسیکو کی ایک تقریب خواتین میں شمولیت کی جس میں پیشہ ور عورتوں نے پیشہ کو قانونی حق دینے اور ایک عورت کو کئی مردوں سے شادی رچانے جیسے مطالبے بھی کئے گئے۔ قومی اسمبلی میں خواتین کے عالمی سال کے متعلق ایک قرارداد پیش کی گئی اور سال بھر آزادیٔ نسواں اور حقوق نسواں کی تائید میں تقریریں ہوتی رہیں۔ مگر اس مسئلہ کا نقطۂ عروج وہ تھا جب پاکستان کے محترم وزیر اعظم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرت مقدسہ سے متعلق کانگریس کی آخری تقریب کراچی کے استقبالیہ میں دنیا بھر کے مسلمان مفکرین کے سامنے پردہ کے بارہ میں اظہار خیال کیا اور یہ ہماری رائے میں اس کانگریس کا خاتمہ نہیں سوء خاتمہ تھا۔
جب آپ نے فرمایا کہ ہمیں اقتصادی مشکلات کی وجہ سے پردہ جیسے فرسودہ خیالات پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ پھر جناب وزیر اعظم نے ایک اور عملی قدم اٹھاتے ہوئے بلوچستان کی ایک تقریب میں عورتوں کو پردے سے باہر آجانے کی دعوت دی اور فرمایا کہ یہ مساوات نہیں کہ عورتیں گھروں کی قید و قفس میں محصور رہیں، انہیں سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں سامنے آنا چاہیے اور یہ فرسودہ روایات ہیں۔ یہ صرف ایک رائے اور اظہار خیال نہ تھا، بلکہ ایک مسلم اور غیور و جسور قوم کو عملی دعوت

تھی، اور یہ سطور لکھتے وقت اسلام آباد میں عورتوں کی حیثیت کے بارہ میں آر سی ڈی کے سیمینار میں صدرِ مملکت سمیت کئی اعیانِ سلطنت کے ایسے ہی خیالات۔ اور پیغامات سامنے آ رہے ہیں۔ پس جب قوم کھلے دل سے ایک اہم مسئلہ پر اپنے عمائدین کے ایسے خیالات سن رہی ہے۔ اسی طرح خدا و رسول کی مسئولیت اور ذمہ داریوں کے پیشِ نظر ہمیں کچھ گذارشات پیش کرنے کا حق ہے اور جب مسئلہ زیرِ بحث کا تعلق سیاسی نظریات اور سیاست سے نہیں ملک کی اخلاقی معاشرتی قدروں اور اسلام کے ایک مستقل نظامِ عصمت و عفت سے ہے تو ہر دردمند مسلمان کو قرآن و سنت کی روشنی میں اظہارِ خیال کا حق ملنا چاہیئے اور کھلے دل سے اسے سننا چاہیئے۔

اصولی طور پر پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا واقعی اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق کے تعین کا مسئلہ مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور کیا واقعی اسلام نے عورت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا! اور یہ کہ اس بارہ میں دشمنانِ اسلام کا پروپیگنڈہ واقعی صحیح ہے؟ اس بارہ میں ہمیں تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالنی ہوگی۔ اس بارہ میں کیا عرب اور کیا عجم اقوام و ادیانِ عالم کی تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب العلم بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اسلام ہی وہ دینِ فطرت اور دینِ رحمت تھا جس نے عورت کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر اوجِ ثریا تک پہنچا دیا۔ ظہورِ اسلام سے قبل دنیا بھر کے اقوام و ملل اور انسانی رسوم و رواج میں عورت جس ظلم و ستم اور ابتذال و تحقیر کی حالت میں مبتلا تھی اُسے قرآن نے ایک اعجازی لفظ جاہلیت اولیٰ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ جاہلیت کیا تھی تاریخ شاہد ہے کہ اسے ایک مبتذل چیز سمجھا جاتا تھا جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت عام بات تھی وہ کسی چیز کی مالک۔ نہ سمجھی جاتی نہ وہ اپنے مال و متاع میں مردوں کی مرضی کے بغیر کوئی تصرف کر سکتی تھی نہ وہ کسی کی وراثت کی حقدار تھی نہ اسے کسی قسم کی وصیت کرنے کا اختیار تھا۔ اس کے قتل ہو جانے کی صورت میں دیت اور قصاص میں وہ مردوں کے برابر نہ تھی نکاح میں اسکی مرضی تو بڑی بات ہے مرد جب چاہتا اسے پیشہ کرانے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔

عورت کے بارہ میں جاہل اقوام کے عجیب روح فرسا نظریات تھے، روم جیسے متمدن اقوام میں ایک عرصہ تک سرے سے یہ مسئلہ بھی محلِ نظر رہا کہ عورت انسان بھی ہے یا صرف جانوروں کی طرح کوئی اور مخلوق۔ رومی ادوار میں اسے ایک نجس جانور قرار دیکر فیصلہ کیا گیا کہ اسے بات چیت کرنے کا بھی حق نہیں، بادلے کتے یا اونٹ کی طرح اسکے منہ پر غلاف باندھا جائے گا۔ مغربی اقوام میں ایک رائے یہ بھی تھی کہ عورت ذی روح ہی نہیں اس بارہ میں یہ بھی اختلاف تھا کہ عورت عبادت، اور بندگی کی اہلیت بھی رکھتی ہے یا نہیں۔ بعض اقوام میں شودروں کی طرح عورتوں کے پورے طبقہ کو مقدس مذہبی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کی قانونی ممانعت تھی۔ اس طرح ادائیگی عبادات کی بھی۔ کئی قبائل اور اقوام بلکہ خود ساختہ ادیان میں والد کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی بیٹیاں بیچ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض عرب قبائل میں اسے بیٹی کو زندہ درگور کر دینے کا "سماجی حق" حاصل تھا۔ اور یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی۔

دوسری طرف اس جاہلی دور میں جسے جاہلیت اولی اور تبرج جاہلیت میں اشارہ کیا گیا ہے، عورت کو محض ایک آلۂ تعیش اور ذریعۂ استلذاذ بنا کر رکھ دیا گیا تھا اس کی حیثیت مردوں کی ایک شاملات ایک وقف اور ایک مشترکہ قومی ملکیت کی تھی کہ وہ مردوں کے مفادِ عامہ کی ایک مخلوق اور تفریح طبع کا ایک سامان ہے۔ اس کا فریضہ ہے کہ غلاموں کی مانند مردوں کے آرام و راحت میں لگی رہے، اور نت نئی اداؤں، عشوہ طرازیوں اور نمود و نمائش کے نئے نئے طریقوں سے مردوں کو سامانِ تسکین فراہم کرتی رہے، کئی جاہلانہ رسومات میں عورت کئی مردوں کی مشترکہ متاعِ نشاط بن سکتی تھی۔ شوہر کے ہوتے ہوئے اس کا عاشق بھی برابر کا حقدار سمجھا جاتا اور ایک مرد بلا لحاظ عدل و انصاف اور بلا لحاظ تعداد جتنی بھی چاہے عورتوں کو نکاح یا تمتع میں رکھ سکتا تھا۔

اب اسلام نے آکر ایک طرف تو اس ضعیف و ناتواں جسم سے ظلم و استبداد کی ساری بیڑیاں توڑ ڈالیں، اسے مقامِ انسانیت میں مردوں کے ہمسر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یاایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکرٍ و انثیٰ ——— حضورؐ نے فرمایا عورتیں مردوں کا جڑواں نصف ہیں۔ پھر نہ صرف خطاباتِ خداوندی کا مکلف اور مخاطب بنایا بلکہ یہ کہ عبادات کی اہلیت رکھتی ہے اور احکامِ دین کی تعمیل و امتثال میں اجر و ثواب، اور قدر و منزلت کے اعتبار سے مردوں سے بھی سبقت لے سکتی ہے ——— ولیس الذکر کالانثیٰ ——— قرآن کریم نے اگر عبدیت و عبادت میں بلا تفریق اگر مردوں کو مسلمین، مؤمنین، قانتین، صادقین، صبرین، خاشعین، متصدقین، صائمین، حافظین، ذاکرین کے خطابات دئیے تو اسی کے ساتھ ہی عورتوں کو بھی مسلمات، مؤمنات، قانتات، صادقات، صابرات، خاشعات، متصدقات، صائمات، حافظات اور ذاکرات کے تمغوں سے نوازا اور بلا امتیاز ایسے دونوں طبقوں کو مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت دی۔ فوز عظیم جناتِ خلد اور رضوان و خوشنودی کی بشارت دونوں فریقوں کو دیتے ہوئے کہا گیا: وعد اللہ المؤمنین والمؤمنات جنٰتٍ (الیٰ قولہ) ذٰلک ھو الفوز العظیم۔ اسلام نے نہ صرف اس کا حق ملکیت تسلیم کیا بلکہ اپنے مال و دولت میں ہر طرح جائز عقد و تصرف، بیع شراء، اجارہ، عاریت، صدقہ اور ھبہ وغیرہ تصرفات کا اختیار دیا گیا اسے وصیت کرنے کا حق دیا میراث کا اسے مستحق قرار دیا۔ فرمایا: وللنساء نصیبٌ مما ترک الوالدان والاقربون عورتوں کا والدین اور رشتہ داروں کی وراثت میں حصہ ہے ——— دیۃ اور قصاص میں وہ مردوں کے برابر ہے۔ انہیں قتل کرنا تو بڑی بات، مارنا پیٹنا بھی ممنوع ہے۔ ان کی پاکدامنی اور عفت پر غلط انگلی اٹھانے والے اور تہمت لگانے والے دنیا اور آخرت میں لعنت کے سزاوار ہیں اور انہیں عذاب عظیم کی وعید ہے۔ ان الذین یرمون المحصنٰت الغٰفلٰت المؤمنٰت لعنوا فی الدنیا والآخرۃ ولھم عذابٌ عظیم ——— الآیہ۔ اگر چاہے تو اپنے شوہر کے غلط بہتان پر اس سے لعان کر سکتی ہے اور اس سے الگ ہو سکتی ہے۔ شریعت نے پاکدامن خواتین کی بہتان تراشی کی سخت سزا حد قذف مقرر کر دی ہے۔ الغرض وہ ہر طرح اپنے جائز حقوق کا دفاع کر سکتی ہے۔ اسلام نے اس کی انفرادی اجتماعی اور معاشرتی

زندگی کی ہر ناجائز بندش توڑ دی ہے۔ نکاح میں اسے اپنی مرضی اور اختیار کا حق دیا گیا کہ جسے چاہے قبول کرے۔ چاہے مسترد کر دے۔ پھر اسلام نے نکاح کی حدود بھی متعین کر دیں کہ وہ مالکیت اور مملوکیت کا رشتہ نہیں زوجین کے باہمی تعلق اور ربط کا نام ہے اس عقد سے وہ مرد کی غلام نہیں بن جاتی، بلکہ یہ ایک ایسی تمدنی اور معاشرتی ضرورت ہے جس کے مرد اور عورت دونوں محتاج ہیں۔ اور یہ دونوں کے فطری تقاضوں کی تکمیل ہے۔ البتہ فریقین کی صنفی اور فطری ضرورتوں سے شوہر کو اس پر ایک گونہ برتری حاصل ہے۔ وللرجال علیهن درجۃ — اور — الرجال قوامون علی النساء کہ اس میں عورت ہی کا تحفظ اور بھلائی ہے۔ اور اس ادنیٰ برتری کے صلہ میں بھی مرد کو مہر کا پابند بنا دیا گیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کی تمام ضروریات، زندگی نان و نفقہ اور لباس و سکونت کا بھی ذمہ دار مرد ہی ہے۔ خواہ عورت کتنی بڑی مالدار اور ذی استطاعت کیوں نہ ہو مرد طرح طرح کی مشقتیں اٹھا کر اس کی اور اس کی اولاد کی ضروریات کی کفالت کا پابند ہے۔ اس کے علاوہ بھی مرد کو ہر قسم کے حسن سلوک کی تلقین کی گئی۔ فرمایا: وعاشروهن بالمعروف۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جس کا سلوک اپنی بیوی سے بہتر ہے۔

حقوق والدین کی وصیت کی گئی تو بار بار ماں کے بارہ میں زیادہ تاکید کی گئی فرمایا جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے، فرمایا جو شخص لڑکیوں کی کفالت کرے گا دوزخ کی آگ اس پر حرام ہو گی۔ فرمایا جو شخص دو بیٹیوں کی بلوغت تک نگہداشت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ اتنا قریب ہو گا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں قریب ہوتی ہیں۔ فرمایا ما اکرم النساء الا کریم ولم اهانهن الا لئیم۔ عورتوں کی عزت و تکریم شرفاء کا اور ان کی اہانت و تحقیر رذیلوں کا شیوہ ہے۔

اسی طرح تعدد ازدواج میں جاہلیت کی غیر محدود تعداد اور مردوں کی کھلی چھٹی کو چار تک محدود کر دیا گیا اور یہ بھی اس شرط سے کہ جب عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکے۔ اب مرد استطاعت مالی کے باوجود بھی چاہے تو چار سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکے گا۔ اس طرح طلاق میں بے تحاشا اسراف اور دھاندلی کا سلسلہ تھا۔ اس اسراف اور ابتذال کو روکنے کے لئے مرد پر طرح طرح کے قدغن لگائے گئے۔ فرمایا: فان کرهتموهن فعسی ان تکرهوا شیئاً ویجعل اللہ فیه خیراً کثیراً۔ ان کے ساتھ نیکی کی معاشرت کرو۔ اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تب بھی، تم کسی چیز کو ناپسند کرو گے اور خدا اس میں بہت بھلائی رکھ دے گا۔ پھر رجوع کی شکل میں اس مبغوض الی اللہ عمل کی تلافی کا موقعہ بھی مردوں کو دیا گیا۔ اسلام سے قبل بیواؤں کی حالت نہایت قابل رحم تھی اسلام نے نہ صرف عقد بیوگان کو جائز قرار دیا بلکہ حضور اقدسؐ نے اپنے پہلے نکاح میں عملی نمونہ پیش فرمایا۔ اور بیواؤں کی مشکل حل کر دی گئی۔ عورت کو یہ حق بھی اسلام نے بخشدیا کہ وہ نکاح کی شکل میں اس باہمی معاہدہ کو بامر مجبوری اور نامساعد حالات میں فریقین کی مرضی سے فسخ اور تنسیخ بھی کر سکتی ہے۔ الغرض دنیا کا کوئی دستور و نظام اور رسم و رواج ایسا نہیں جس نے عورت کو وہ مقام دیا ہو جو اسلام نے دیا۔

اسی طرح عورت کی اس بے کسی کا معاملہ ہے جسے قرآن نے جاہلیت اولیٰ سے تعبیر کیا ہے جس میں عورت ایک بازیچۂ اطفال اور کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔ اور اس وجہ سے یہ صورتحال خانگی اور تمدنی زندگی کے درہم برہم ہو جانے اور معاشرہ کی تباہی کا سبب بن رہی تھی۔ اسلام نے ان حالات کو اس طرح ختم کر دیا کہ مرد کی دست درازیوں اور شیطان صفت انسان نما درندوں سے اسکی حفاظت کے تمام وہ طریقے اختیار فرمائے جو عورت کو اس کی حیثیت اور مقام سے ہٹانے والے تھے خواہ وہ عملی وجوہات تھے یا نظریاتی یا پھر تصوراتی ہی کیوں نہ تھے۔ اسلام نے اسے حفاظت کے قابل ایک بیش بہا خزانہ ایک قیمتی اور انمول موتی اور ایک نازک آبگینہ قرار دیا۔

حضورؐ نے فرمایا: ان المرأة عورة مستورة (فی روایة خدرة مخدرة) فاذا خرجت استشرفها الشیطان - بلاشبہ عورت، ایک چھپی ہوئی چیز ہے۔ جب وہ باہر نکل جاتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔ کہ اب کسی کو دام میں پھنساؤں گا۔"

مردوں کو انہیں بری نگاہ اٹھانے سے بھی روکتے ہوئے غض بصر کا حکم دیا گیا۔ حضورؐ نے فرمایا: زنا العین النظر۔ نگاہ بازی آنکھ کا زنا ہے کہ جیسی نگاہ ہو ویسے اس کے اثرات ہوتے ہیں

مگر آج کا یہ دور آزادیٔ نسواں اور حقوق اور مساوات کے نام سے اس مقدس اور محترم صنف نازک کو دوبارہ اسی جاہلیت اولیٰ کی طرف۔ لوٹانے کی سعی مذموم کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شرافت مآب۔ دولت اور قیمتی خزانہ پھر ایک بار گھر کی دہلیز سے نکل کر سر بازار تماشائے عالم بن جائے رونق خانہ بننے کی بجائے شمع محفل ہو، آلات وصنائع اور حقیر سے حقیر مصنوعات کی تشہیر کا ذریعہ بن جائے وہ سیرگاہوں، پارکوں، ہوٹلوں، کلبوں، جلسوں، جلوسوں، اسمبلیوں اور عدالتوں، کارخانوں اور فیکٹریوں، تھیٹروں اور سینماؤں، سرکسوں اور میلوں میں اور سیاست کی اسٹیج پر بھٹکتی ہوئی رسوا ہوتی ہوئی، مشقتیں اور مصیبتیں اٹھاتی ہوئی مردوں کی نشاط طبع کا سامان بن جائے اور یہ وہی فاسقانہ تبرج، جاہلیت اولیٰ (جاہلیت کی نمود و نمائش) ہے جو اس آبگینۂ عصمت وحیاء کو سر بازار پاش پاش کرنا چاہتی ہے۔ یہ دعوت و تحریک، اسے مرد کا کھلونا اور لعبتہ لاعبین۔ بنانے کی دعوت ہے۔ یہ دعوت درحقیقت عورت کی آزادی کی نہیں اسے پھر سے غلام اور بے بس بنا دینے کی دعوت ہے۔ اور جاہلیت کی وہی شکل ہے جسے اسلام نے تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ اس صورتحال کا جاہلیت ماضی سے موازنہ کیجئے تب حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کی قدر و قیمت معلوم ہو سکے گی، فرمایا اس عظیم مصلح اور مفکر اور سیاستدان اسلام نے: انما تنقض عری الاسلام عروة عروة اذا نشأ فی الاسلام من لم یعرف الجاهلیة - جو شخص اسلام میں رہتے ہوئے جاہلیت کے طور طریقوں سے ناواقف ہے۔ اس سے خطرہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک ایک کڑی کر کے توڑ بیٹھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو کیسے اس جاہلیتِ اولیٰ کی ظلمتوں سے نکال کر نور کے اجالا میں کھڑا کر دیا اسلام نے عورتوں کے حقوق کی رعایت و نگہداشت، عصمت، و عفت کی حفاظت، تہذیب و تربیت کا ایک ایسا مستقل نظام پیش فرمایا جو اصول و جزئیات۔ جبلی اور خلقی، علمی اور نظری، عملی اور خیالی، تمام گوشوں پر ایسا حاوی ہے کہ اس نظام عصمت پر فحشاء اور فواحش کا سایہ تک بھی نہیں پڑ سکتا۔ دواعی اور اسباب فحاشی کو بھی فواحش کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ خیال اور تصور کی لامحدود وسعتوں کو بھی عصمت و عفت کے دوائر میں محدود و محصور کر دیا گیا ہے۔ اس نظام میں حالات و مصالح، علل و بواعث اور جبلی اور فطری تقاضوں کی ہر طرح رعایت رکھی گئی ہے جس کے بغیر نہ سیاست مدنیہ درست ہو سکتی ہے نہ تہذیب اخلاق ممکن ہے نہ تدبیر منزل کارگر ہو سکتی ہے۔ اور جس کے بغیر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر، اخلاقی قدروں کی حفاظت خاندانی نظام کا قیام و استحکام اور تہذیب و تمدن کا کوئی مثالی نمونہ قائم کرنا قطعی ناممکن ہے۔ آیئے ہم اس سلسلہ میں قرآن و سنت پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ مرد و زن کا خالقِ حکیم خداوندِ کریم اور بنی نوع انسان کے رحمتِ مجسم نبی الرحمۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری رہنمائی کس طرح فرمائی ہے۔ اس کے بعد ایک انصاف پسند اور جویائے حق طبیعت خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ خدا اور رسول کا منشاء کیا ہے؟ ارشادِ ربانی ہے:

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ۔ — اور گھروں میں ٹھہری رہو اور پچھلی جاہلیت کی زینت اور نمائش ترک کر دو۔

چلتے پھرتے پابندی عائد کی کہ وہ ایسے لباس میں رہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ اور عضو نہ کھلے اور نہ مخفی محاسن کی نمائش ہو۔ فرمایا:

ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن۔ — اپنے سینوں اور گریبانوں پر دوپٹوں کا آنچل ماریں۔

دوسری جگہ ازواج مطہرات، بنات اطہار اور تمام مسلمان خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ید نین علیھن من جلابیبھن — وہ لمبی لمبی چادریں اپنے اوپر ڈھانک لیں۔

مفسرین نے جلباب کی تفسیر میں لکھا ہے:

ھو الرداء فوق الخمار۔ جلباب، دوپٹہ کے اوپر اوڑھنے والی لمبی چادر کا نام ہے۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں:

تغطی ثغرۃ نحرھا بجلبابھا تدنیہ علیھا۔ وہ اپنے سینہ کو اوپر تک ڈھانک لیتی تھی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:

الذی یستر من فوق الی اسفل۔ وہ کپڑا جو اوپر سے نیچے تک ڈھانپ لے۔

اس آیت کا مفہوم صحابیات نے یہی سمجھ لیا تھا حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں انصاری عورتوں پر خدا رحم کرے کہ انہوں نے حکم حجاب سنکر بڑی چادروں کو پھاڑ کر اپنے اوپر لپیٹ لیا۔ شققن مروطھن فاعتجرن منھا۔ اب اگر دینی اور دنیوی ضرورت کی وجہ انہیں باہر نکلنا بھی پڑ جاتا تو بقول حافظ ابن حجرؒ۔ فعلن کنّ یحججن ویطفن وھن مستترات الابدان۔

حضورؐ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات۔ حج اور طواف بھی کرتیں تو اپنے ہمو[illegible] ڈھ[illegible] نیچے [illegible] تے ہوئیں [illegible]

موقع پر بھی عام زینتوں کو چھپائے رکھنے کے لئے مزید تاکیدی حکم دیا گیا۔ فرمایا:

قل للمؤمنت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا (الآیۃ)

مومنات کو حکم دو کہ نگاہیں نیچی رکھیں شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اپنے بناؤ سنگھار کو نہ کھولیں مگر یہ کہ مجبوری اور بلاقصد خود ظاہر ہو جائے۔ اس پر ان پر اس میں گرفت نہیں۔

اس پردہ اور حجاب کا مزید واضح اور غیر مبہم حکم ان الفاظ میں دیا گیا:

واذا سألتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب۔ بغیر ضرورت کے پردہ کے پاس بھی مت آؤ اگر بمجبوری کوئی ضرورت پڑ جائے تو گھر میں جھانکنے اور داخل ہونے کی بجائے پس پردہ مانگ لیا کرو۔ گویا گفتگو بھی پس پردہ ہوگی اور ضرورت بھی بڑے بڑے معاملات تجارتی لین دین کی نہیں دکانوں اور سٹوروں میں ماڈل گرل بن کر تجارت کے سودے چکانے کی نہیں نٹ پاتھوں پر اور سرکسوں سے باہر ڈگڈگی بجا بجا کر لوگوں کو کھینچنے کی نہیں بلکہ صرف کوئی معمولی چھوٹی موٹی چیز جسے لفظ متاعاً میں اشارہ کر دیا

اس آیت حجاب کا مقصد واضح ہے کہ اجنبیوں کے لئے نہ صرف عورت کا عام جسم بلکہ اس کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں بھی حجاب کے حکم میں شامل ہیں۔ بعض روایات میں آیت بالا کے استثناء۔ الا ما ظھر منھا۔ کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ اس جملہ سے چہرہ ہاتھ اور پاؤں مستثنیٰ کر دئے گئے کہ عورت ان اعضاء کے چھپانے کی پابند نہیں ایسی روایات کو مخالفین پردہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں بے پردگی کا سرٹیفیکیٹ مل گیا ہے، حالانکہ یہ ناسمجھی ہے یا جان بوجھ کر دجل وتلبیس سے کام لیتے ہوئے مغالطہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ لوگ ان تمام روایات و نصوص کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن میں ہاتھ پاؤں اور چہرہ کے ڈھانپنے کا صریح حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ درحقیقت دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں دونوں اپنے اپنے دائرہ میں واجب العمل ہیں۔ ایک کا دائرہ ستر اور دوسرے کا حجاب ہے۔ ایک ہے ستر عورت اور ایک ہے حجاب یعنی مردوں سے پردہ کرنا ستر عورت مرد اور عورت دونوں پر یکساں فرض ہے۔ مرد کے جسم کا ستر ناف سے لیکر گھٹنوں تک ہے۔ یعنی یہ حصہ جسم کا کسی کے سامنے نہیں کھولے گا۔ جسم کا اس کے علاوہ حصہ ستر سے خارج ہے۔ اور عورت کے جسم کا ستر والا حصہ اتنا نہیں بلکہ گردن سے لیکر سینہ، پیٹ، پیٹھ، رانیں، ٹانگیں بمعہ ٹخنوں اور گٹہ تک چھپائے رکھنا فرض ہے جس طرح مرد جسم کا حصہ ستر، نہ گھر میں کسی کے سامنے کھولے گا نہ باہر، خواہ اس کا والد بھائی بیٹا کیوں نہ ہوں، اسی طرح عورت اپنے جسم کا مذکورہ سارا حصہ اپنے گھر میں محارم سے بھی چھپائے رکھے گی، البتہ چہرہ ہاتھ اور پاؤں کا چھپانا باپ بھائی بیٹے اور محارم سے چھپانا ضروری نہیں، اگر

(باقی صفحہ ۴۳ پر)

دعوات عبدیت حق

ضبط و ترتیب ـــ ادارۃ الحق

ارشادات حضرۃ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ

تجلّیاتِ وحی

انوارِ کتاب و سنّت
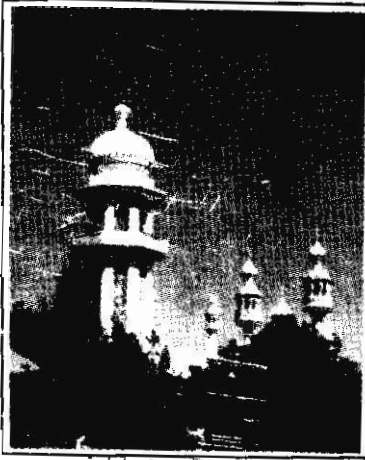
(خطبۂ جمعۃ المبارک)

جامع مسجد دارالعلوم حقانیہ کا ایک منظر

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

قال ثلث من جمعهن فقد جمع الایمان الانصاف من نفسك وبذل السلام للعالم والانفاق من الاقتار ۔ یہ ایک حدیث ہے جو حضرت عمار بن یاسر سے منقول ہے ۔

حدیث موقوف و مرفوع اس کو اصطلاح محدثین میں حدیث موقوف کہا جاتا ہے ۔ صحابی کا ایک قول صحابی کا ایک عمل ایک فتویٰ بھی حدیث ہے مگر جس حدیث میں یہ تصریح ہو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ، انہوں نے فرمایا ہے ، اس کا نام محدثین حدیث مرفوع رکھتے ہیں ، اور صحابہؓ کا منبع علم اور علم کا ماخذ ، عمل کا ماخذ بھی تو ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ، ظاہر بات ہے کہ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ نبی کریم ہی سے انہوں نے سنا اور دیکھا تب تو وہ کرتے ہیں اس وجہ سے حدیث مبارک میں الفاظ ہیں : اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم ۔ یہ میرے صحابہؓ جتنے ہیں ، ستارے ہیں اور ہدایت کی روشنی دینے والے ہیں ۔ اور ان تمام ستاروں کی روشنی سورج سے ماخوذ ہے ، تو صحابہ کرامؓ کا جس قدر علم ہے ، جس قدر روشنی ہے ، وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے ۔ اس لئے وہ بھی حدیث ہے مگر محدثین اس میں کہ جو رسول امر سے روایت ہو ، منقول ہو ، اس کو مرفوع کہتے ہیں ۔ اور صحابی سے منقول ہو تو موقوف کہتے ہیں ۔ اور یہ حدیث بخاری شریف میں ہو میں نے تلاوت کی مگر حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو جامعیت پائی جاتی ہے ۔ جو شانِ جامعیت اس میں ہے یہ اسی سرچشمے کا معلوم ہوتا ہے جس کو جوامع الکلم فرمایا گیا ہے ۔ یعنی حضورِ اقدس کا کلام مبارک اس لئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ چاہے ہمارے پاس سند نہ ہو مگر مجھے یقین ہے کہ حدیث ، حدیث مرفوع ہے ۔

محدثین کا وجدان باطنی اور نورانیت

اتنی بات یاد رکھیں کہ ان محدثین رحمہم اللہ کو کثرتِ مزاولت اور رات دن حضورؐ کے احادیث سے شغل کی وجہ سے اس قدر نورانیت ان کے سینوں میں پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ سنتے ہی کسی کلام کو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کس کا کلام ہے۔ جیساکہ کسی صراف کے سامنے آپ سونا چاندی پیش کردیں وہ دیکھتے ہی سمجھ لے گا کہ یہ کھوٹا ہے یا کھرا۔ اس طرح ان علماء محدثین کو اللہ تعالیٰ نے یہ ملکہ عطا فرمایا۔ اور بعض بزرگ تو مشاہدہ ان انوار کا کرکے حکم دیتے ہیں۔

شیخ عبدالعزیزؒ

شیخ عبدالعزیزؒ اپنے زمانہ کے ولی اور بزرگ تھے کہا جاتا ہے کہ شیخؒ نے پورا قرآن مجید بھی نہیں پڑھا تھا۔ مگر ان کے سامنے جب قرآن کی آیتیں پڑھی جاتیں، حدیث پڑھی جاتی، دونوں کو ملاکر پڑھا جاتا تو وہ بالکل امتیاز کرکے بتلاتے کہ یہ قرآن کا جملہ ہے وہ حدیث کا جملہ ہے۔ اور یہ کسی اور انسان کا کلام ہے۔ اس طریقے سے وہ امتیاز کرتے تھے۔ کسی نے تلاوت کی کہ حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر۔ تو الشیخ نے فرمایا وصلوٰۃ العصر۔ یہ قرآن نہیں بلکہ یہ حدیث ہے۔ خبر واحد ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے کیسے جان لیا۔ تو فرمایا کہ جس وقت قرآن مجید پہ تلفظ کیا جائے تو اس وقت شعاعیں نورِ آفتاب کی طرح نکلتی ہیں، پھیلتی اور چمکتی ہیں عرش سے فرش تک نور پھیل جاتا ہے، جیسے ٹارچ کا نور پھیلتا ہے۔ اس طرح جب آپ کہیں کہ الحمد ــــ للہ ــــ تو ہم تو اندھے ہیں کچھ نظر نہیں آتا اور یہ جو آنکھوں والے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ کتنی روشنی پھیلی، تو شیخؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے تلفظ سے سورج کیطرح نور چمکتا ہے۔ اور جب حدیث پڑھی جائے تو اس کی نورانیت ایسی جیسی چاند کی ہوتی ہے۔ اور چاند بھی بدر یعنی چودہویں رات کی مانند اور حدیث میں ارشاد ہے کہ جس مکان میں کوئی مرد عورت یا بچہ قرآن کی تلاوت کرتا ہو تو جیسے ہم زمین والوں کو آسمان پہ ستارے نظر آتے ہیں وہ چاند ہے وہ سورج ہے وہ زہرہ ہے وہ مریخ ہے وہ عطارد ہے۔ اسی طرح اوپر آسمانوں کی مخلوق کو فرشتوں کو نیچے زمین پہ وہ گھر اور مکان جہاں تلاوت ہوتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے ستارے چمک رہے ہوں وہ وہاں سے معلوم کرتے ہیں کہ یہاں قاری حافظ تلاوت کر رہا ہے۔ چلئے ہم بھی وہاں پہنچیں تو ساتویں چھٹے آسمان پہ وہ چمک ستاروں کی مانند نظر آتی ہے۔ یہاں کا نور اہیں وہاں نظر آتا ہے۔ امام سیوطیؒ نے ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ اس کا بیٹا جب والد کی قبر کی زیارت کو جاتا تھا۔ تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص کی تلاوت میں لگ جاتا۔ اور جتنا بھی ہوسکے قبر کے پاس کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر تلاوت کرنی چاہیے۔ اور نیت اگر صاحب قبر کو ایصالِ ثواب کی کرے تو اللہ تعالیٰ ثواب پہنچانے والا ہے تو وہ شخص آتے ہی تلاوت کرنے لگتا۔ تو خواب میں صاحب قبر نے اپنے بیٹے کو کہا کہ بیٹے تم جب میری قبر پہ آتے ہو تو تھوڑی دیر رک کر تلاوت شروع کیا کرو۔ جب تم آتے ہی تلاوت شروع کرتے ہو تو تمہارے چہرے

پر تلاوت کے انوار اتنے پھیل جاتے ہیں جیسے سورج کو نی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ اس طرح تمہارا چہرہ انوار تجلیات میں ڈھک جاتا ہے۔ اور تم میری نظروں سے غائب رہتے ہو، میں دیکھنے نہیں پاتا۔ تو قرآن کے انوار دیکھنے والے دیکھ لیتے ہیں تو شیخ دباغ فرماتے ہیں کہ گویا کہ قرآن کا ہر لفظ ایسا ہے جیسا اندھیرے میں بٹن دبائیں تو فوراً روشنی پھیل جاتی ہے۔ جب آپ زبان سے کہیں۔ الحمدللہ۔ اس کلمہ کے کہتے ہی عرش سے فرش تک نور پھیل جاتا ہے۔ سورج کی روشنی کیطرح اور جب حدیث پڑھی جائے جیسا آپ پڑھتے ہیں دارالعلوم میں تو بدر کے چاند جیسی روشنی پھیلتی ہے۔

گنج مرادآبادیؒ کی وصیت حضرت مولانا فضل الرحمان گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ بڑے صوفی گذرے ہیں۔ انہوں نے وصیت کی جب مجھ پر نزع کی حالت طاری ہو جائے تو اس وقت بخاری شریف میرے پاس آکر بیٹھ کر پڑھتے رہیں تاکہ اس کے انوار و برکات سے نزع کی تکالیف اللہ تعالیٰ آسان کر دے۔ مولانا نے وصیت کی اس لئے کہ موت کے وقت احادیث کی عبارت پڑھنے سے اس کے انوار ہوتے ہیں چاند کی روشنی کی طرح۔ اور دوسرے کسی شخص کے کلام میں خواہ وہ افلاطون اور ارسطو کیوں نہ ہو وہ نورانیت نہیں ہوتی بالکل۔ تو لوگوں نے اس کا تجربہ کیا ہوا ہے۔ یہ اللہ کی ایک مہربانی ہے فضل ہے، کرم ہے جس پر ہو جائے۔ اسی شیخ عبدالعزیز دباغ کا ایک اور قصہ کتابوں میں نقل ہوا ہے کہ وہ خود کتابیں پڑھے ہوئے نہیں تھے، مگر بڑے بڑے علماء مشکل مسائل ان سے حل کیا کرتے تھے تو چند لوگوں نے آکر ان کے سامنے ایک مسئلہ رکھا کہ حضرت ——
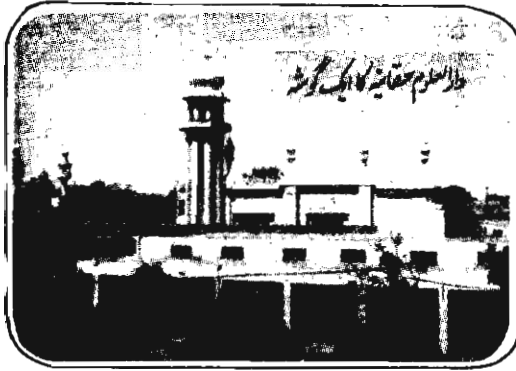
شمائل ترمذی شریف میں ایک حدیث آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب راستہ پر تشریف لے جاتے تھے تو کانما ینحط من صبب۔ جیسا کہ فراز سے نشیب کی طرف کوئی جاتا ہو، جیسے سیڑھی سے آپ اتریں تو سر جھکا ہوگا۔ اور احتیاط سے پاؤں رکھیں گے۔ اور آج تو لوگ اٹنشن ہو کر جاتے ہیں سینہ تان کر چلتے ہیں۔ اس تکبر نے تو شیطان کو غرق کر دیا۔ شیطان نے بڑی عبادت کی بڑا عالم ہے۔ جو علماء کو اب بھی ورغلاتا ہے۔

امام رازیؒ کا سفر سلوک امام رازیؒ کتنے بڑے عالم اور محقق گذرے ہیں۔ عجیب واقعہ ہے ان کا۔ امام رازیؒ علم کلام، تفسیر، منطق اور فلسفہ کے بہت بڑے امام تھے، مگر روحانیت اور تصوف اور قلب کی صفائی کے لئے ضرورت ہوتی ہے، ایک رہنما کی۔ ایک استاذ کی۔ اور اسلاف کا اس کے لئے یہی طریق رہا

ہے کہ وہ بیعت کسی کامل کے ہاتھ پر کرتے ہیں۔ اس نیت سے کہ اصلاح ہو جائے۔

بیعت کی حقیقت: آج کل ہم بیعت کرتے ہیں تو اس نیت سے کہ دکان کا کام چل جائے تجارت میں نقصان نہ ہو مقدمہ سر پر ہے، اس میں بری ہو جاؤں، کوئی تعویذ یا وظیفہ پیر سے مل جائے تو ہم پیر کو اس لئے پکڑتے ہیں، ٹھیک ہے مگر یہ تو ایک الگ بات ہے وہ تو قرآن کی حدیث کی خاصیت اور تاثیر ہے۔ مگر بیعت کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے قلب کو درست کردو۔ اپنے اخلاق باطنیہ اخلاق ظاہرہ کو درست کردو آج کل کی بیعت کا الگ مقصد بنا لیا گیا۔ مگر اس وقت یہ بات نہ تھی امام رازیؒ کتنے بڑے عالم، تفسیر کبیر کے مصنف، فلسفہ کے امام جب انہوں نے ارادہ بیعت کا کر لیا تو اسی زمانہ کے ایک عالم شیخ نجم الدینؒ کی لوگوں میں شہرت تھی بڑے متقی بڑے پارسا انسان تھے۔ تو امام رازیؒ اصلاح نفس کی نیت سے ان کے پاس آتے۔ اب عالم کی جو شان ہے۔ اور امام تو تمام دنیا میں مشہور تھے تو اس تمام عالمانہ شان کو چھوڑ بیٹھے جبہ، قبہ اور صافے کو اتار کر ایک ملنگ بن گیا۔ فقیر اور مسکین بنے اور شیخ نجم الدین کی مسجد اور خانقاہ کے دروازے پر بیٹھ کر استنجا کے ڈھیلے بنانے لگے اسے جسم پر مل کر صاف کرتے پھر کبھی کبھی منہ پر بھی اسے رگڑتے کہ ہموار ہو جائیں۔ لوگ آتے جاتے دیکھتے ہیں کہ کوئی فقیر بیٹھا ڈھیلے بنا رہا ہے۔ ماؤف، دماغ ہوگا کوئی۔

چند دن گذرے کہ ایک عیسائی آیا اور آکر شہر میں اعلان کر دیا کہ اسلام پر میرے کچھ اعتراضات ہیں اور اگر اسلام حق مذہب ہے تو ان اعتراضات کا جواب کوئی مولوی کوئی عام مسلمان دیدے۔ چیلنج دیدیا کہ یہاں کے علماء اور مشائخ جواب دیں۔ یہ لوگ شیخ نجم الدین کے پاس آئے کہ یا دری بازار میں چلا چلا کر اشکالات پیش کر رہا ہے۔ اس کا جواب، تو نظر نہیں آتا۔ شیخ نے فرمایا کہ بھائی اس کا جواب، تو امام رازیؒ ہی دے سکتے ہیں۔ امام رازیؒ کے پاس پہنچ کر انہیں یہ اشکالات پیش کر دیں کہ وہ جواب لکھ دیں۔ اور کوئی ایسا محقق اور فلسفی اور ماہر ریاضی تو اس زمانہ میں ہے نہیں۔ امام رازیؒ دروازے پر ملنگ بنے بیٹھے ہوتے ہیں اصلاح نفس کے لئے آتے ہیں سب بزرگی علمی شان ذکاوت، اور تبحر الگ، رکھ دیتے ہیں۔ عالم تھے سمجھ رہے تھے کہ نفس کی اصلاح کیلئے آیا ہوں۔ تو شان بان کیسی؟

آج کل ہم میں یہ بڑا عیب ہے کہ یہ زعم ہے کہ میں خوددار ہوں معلوم نہیں یہ خودداری کے نام سے انانیت کہاں سے آتی کہتے ہیں ہم اپنے حقوق کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ہم خوددار ہیں۔ تو یہ شیطان کے جملے ہیں، اچھا ہم تو غلام ہیں اللہ کے۔ بھائی غلام کی کیا خودی ہے، غلام کی خودی کچھ بھی نہیں، آقا جو کچھ بھی کہے وہ غلام کی خودی ہے۔ بہر تقدیر امامؒ نے باتیں سنیں کہ ایک قاصد بھیجا جا رہا ہے میری طرف۔ تو قاصد کو راستہ میں روک لیا اور پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ اس نے ڈانٹا کہ دیوانے تجھے کیا۔ کہا بتا دو، کیا حرج ہے۔ اس نے کہا

امام رازیؒ کے پاس پادریوں کے اعتراضات لے کر جارہا ہوں۔ کہ وہ جواب دیدے امام رازیؒ نے کہا کہ مجھے تو بتلا دو، کیا حرج ہے، سوالات دیکھ کر کاغذ پنسل لیا اور کھڑے کھڑے جوابات لکھ دیئے اور قاصد سے کہا کہ یہ بیکہ شیخ نجم الدین کو بتلادے اگر وہ اسے ناپسند کرے تب امام رازیؒ کے پاس چلا جا۔ شیخ نجم الدین نے جب وہ جوابات دیکھے تو سمجھ گئے کہ ایسا جواب تو امام رازیؒ کے بغیر اور کوئی لکھ نہیں سکتا۔ پوچھا کس نے لکھے ہیں یہ جوابات۔؟ کہا وہ استنجاء کے ڈھیلے بنانے والے فقیر اور مسافر نے۔ کہا، اسے بلاؤ۔ بلائے گئے۔ شیخ نے مصافحہ کیا، بٹھایا، تنہائی میں لے جاکر کہا کہ تو امام رازیؒ تو نہیں کہا ہوں۔ فرمایا کیسا عجیب آدمی ہے۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ کہا، حضرت میں اپنے نفس کی اصلاح کے لئے آیا ہوں۔ مولوی ہوں اور مولوی کا نفس بھی بہت بڑا ہوتا ہے۔ دنیا مجھے قدر واحترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ تو اس نیت سے چلا آیا کہ اپنے نفس کی اصلاح کردوں اور آپ تک بغیر اصلاح و نفس کشی کے رسائی مناسب نہ سمجھی، پھر شیخ نے پوچھا بیعت کرنا چاہتے ہو۔؟ کہا اسی لئے تو آیا ہوں۔ فرمایا ٹھیک ہے۔ مراقبہ ہوئے توجہ دی۔ امام رازیؒ تھوڑی دیر مراقبہ کے بعد اچھل پڑے۔ شیخ نے پوچھا، کیوں۔؟ کہا، میرے دل و دماغ میں پہاڑ گر رہے ہیں، ٹوٹ رہے ہیں۔ نکل رہے ہیں، تحمل نہیں کرسکتا۔ شیخ نے فرمایا ٹھیک ہی تو ہے، جب نیا مکان آباد کرنا ہو تو پرانی عمارت گرائی جاتی ہے۔ توڑ پھوڑ ہوتی ہے بنیادیں اکھیڑنی ہوں گی تب دوسری تعمیر ہوگی، اب تم تصوّف وسلوک کے میدان میں آئے ہو، معرفت و حکمت کے علوم حاصل کرنا چاہتے ہو تو اب اپنے منطق و فلسفہ کو نکالنا ہوگا۔ علوم معقولہ کو نکالنا ہے وہ جو علم کلام کے جھگڑے ہیں یہ ختم ہورہے ہیں، ٹوٹ رہے ہیں۔ یہ علوم نکل رہے ہیں۔ امامؒ نے فرمایا، حضرت بوڑھا ہوگیا ہوں ان علوم میں اور اب جی نہیں چاہتا کہ اب ان علوم سے عاری ہوجاؤں شیخ نجم الدین نے فرمایا بہت بہتر اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت اور حفاظت کے لئے تم جیسے علماء کو پیدا کیا ہے تم لوگ ظاہر دین کے محافظ ہو۔ آج اگر روئے زمین پر تم جیسے علماء نہ ہوتے تو دشمنوں کا توڑ کون کرتا تمہاری منطق و فلسفہ اور علم کلام کی مہارت آج کام آئی۔ اللہ کو یہی منظور ہے بس آپ جاکر پڑھتے پڑھاتے رہیں اپنے کام میں لگے رہیں، تمہاری بیعت ہوگئی۔

امام صاحبؒ چلے گئے، مدّت گذری، کہا جاتا ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو کتنے سو دلائل امامؒ نے اپنے ذہن میں تجویز کئے تھے کہ جان کنی اور نزع کے وقت جب شیطان آکر انسان کے ساتھ مناظرہ کرتا ہے۔ تو ان دلائل سے اسے شکست دوں گا۔ تو امامؒ نے اللہ کے وجود، وحدانیت کے دلائل مستحضر کر رکھے تھے، تو جب نزع کا وقت طاری ہوا امام پر۔ تو شیخ نجم الدین نے سینکڑوں میل دور اچانک جب کہ وہ وضوء فرما رہے تھے وضوء کا لوٹا پھینک کر فرمایا کہ: "بگو من خدارا بلادلیل شناختیم" اور یہ اتفاقاً اس

وقت شیخ کو کشف ہو گیا تھا۔ یہ علم غیب نہیں جو خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ یہ کسی خبر کی بات کا علم خدا دے دیتا ہے۔ تو شیخ کو کشف ہوا کہ امام رازیؒ ابلیس کے ساتھ مناظرہ میں لگے ہوتے ہیں۔ اور سارے دلائل پیش کرتے جا رہے ہیں اور ابلیس ان کا مقابلہ اور جرح کر رہا ہے۔ تو شیخ نجم الدین نے امام رازیؒ کے مرشد نے انہیں للکارا کہ دلائل میں مت پڑو، شیطان کے ساتھ مناظرہ مت کرو، بس کہہ دو کہ میں بلا دلیل خدا کو مانتا ہوں، تجھے کیا۔
——— ہم چھوٹے تھے تو یہ قصہ سنا کرتے تھے کہ کسی شہر میں ابلیس آیا کسی کے پاس اور کہا تو مانتا ہے خدا کو ؟ کہا، ہاں۔ کہا کہاں ہے دکھاؤ ؟ اس نے ایک لاٹھی لی اور ایک ماری دوسری ماری تیسری ماری اور کہا یہ آسمان یہ ستارے یہ دریا یہ زمین یہ میرا وجود کیا تیرے باپ نے پیدا کئے ہیں۔ اس قدر مارا کہ ابلیس نے کہا خدا کیلئے چھوڑ دو، تمہاری دلیل سب سے مضبوط ہے۔

ایمان محکم | تو یہ عوام کا ایمان بہت محکم ہوتا ہے، بس کوئی دلیل نہیں چاہئے۔ ایمان ہے کہ خدا ایک ہے، اس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ شیطان سے مناظرے مت کرو۔ میں خود دیوبند میں تھا ایک بنگالی طالب العلم نزع کی حالت طاری تھی وہ بولتا جارہا تھا، دلائل پیش کر رہا تھا، کچھ دیر بعد کہنے لگا وہ بھاگا وہ بھاگا، سالہ بھاگ گیا ہم سمجھ گئے کہ شیطان مناظرے میں شکست کھا گیا۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ابلیس سے کبھی مطمئن نہ بیٹھنا۔

امام مالک اور سکرات موت | امام مالک کتنے بڑے بزرگ ہیں بڑے محدث، اور امام دار الہجرت ہیں۔ نزع کی حالت میں امام مالک اپنا چہرہ کبھی اس طرف پھیرتے تھے کبھی اس طرف، لوگ سمجھے کہ تکلیف اور پریشانی ہے، تو کہا حضور آپ نے تو ساری عمر حدیث کی خدمت کی، آپ پر تو اللہ کا بڑا کرم ہوگا۔ آپ کیوں پریشان ہیں، تو انہوں نے جواب دیا، پریشانی اور کچھ نہیں، ابلیس سامنے کھڑا ہے اور ہاتھ مل رہا ہے۔ کہ یہ بڈھا ایمان سلامت لے کر کیوں جا رہا ہے، تو جب ادھر منہ پھیر لوں تو وہ ادھر آجاتا ہے۔ اُدھر پھیر لوں تو اُدھر سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو میں ابلیس سے منہ پھیرتا ہوں۔

مسجد کا ایک دروازہ

اور اسی طرح ایک اور عالم کا قصہ ہے، بزرگ شخص تھے موت کا وقت جب آیا تو ابلیس نے آکر کہا کہ شکر کرو اب تمہاری موت کا وقت ہے مگر تو میرے پھندے سے بچ گیا۔ اور مجھ سے محفوظ رہا ——— اللہ رحم کرے اس عالم پر اس نے کہا ابلیس یہ بھی جھوٹ بولتے ہو، میں تیرے پھندوں سے ابھی تک محفوظ نہیں ہوں، تیری شرارت جانتا ہوں۔ پھر کہا کہ میری ایک دو منٹ کی زندگی دنیا میں ہے، اب شیطان چاہتا ہے کہ میں اطمینان سے رہوں کہ ایمان پر خاتمہ ہوگا۔ تو وہ ایک منٹ میں بھی
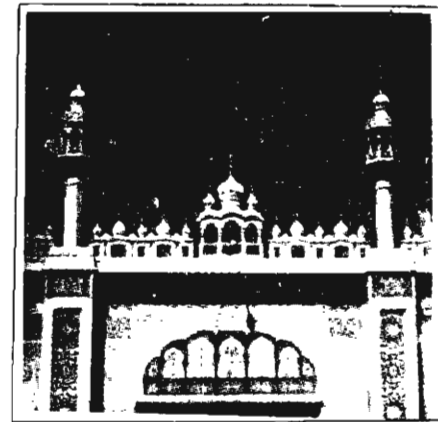
میرا کام خراب کر دے اور دو آدمی جب کشتی لڑتے ہیں تو ایک کوشش کرتا ہے کہ مدمقابل دو ایک منٹ بھی غافل ہو جائے تو میں اپنا کرتب دکھا کر اسے پچھاڑ دوں گا۔ تو ابلیس کا بھی یہی حال ہے کہ ایک منٹ کی غفلت سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتا ہے وہ کہتا ہے اب مطمئن ہو جا۔ عالم نے کہا نہیں اب بھی میں تیری شرارت جانتا ہوں۔ تیری ناک میں ہوں کہ اس ایک دو منٹ میں بھی مجھے گمراہ نہ کر دو۔

الغرض ابلیس نے خودی کا دعویٰ کیا کہ میں بھی کچھ ہوں خلقتنی من نار وخلقته من طین۔ اور اکڑ فوں چلتا ہے متکبرانہ چال اور ابلیس کا یہی طریقہ ہے۔ جب اُسے آسمان سے زمین پر پھینکدیا گیا۔ تو اس نے اپنے ہاتھ خاصرہ پر رکھے ہوئے تھے، اٹنشن کھڑا تھا، جیسا کہ اب بھی ایسا کرتے ہیں کہ دشمن کو خوشی نہ ہو کہ میں خفا ہوں۔ جیسا کہ فوجی چال ہوتی ہے، تو کافر کے سامنے تو اٹنشن رہنا کمال ہے۔ مگر مسلمانوں کے سامنے اللہ کے سامنے جھکا رہنا کمال ہے۔ —— تو تکبر کی وضع شیطان کی وضع ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے میں تواضع اختیار فرماتے تھے، چلنے میں بھی تواضع، چال ایسی کہ آگے جھکے ہوئے۔ کانما ینحط فی صبب۔ سرِ مبارک آگے جھکا ہوتا تھا، قدم مبارک مضبوطی سے اٹھاتے اور رکھتے تھے جیسا کہ کوئی اوپر سے فراز سے نشیب کیطرف جائے، تو شیخ عبدالعزیز دباغ سے طلبا نے شمائل کی اس حدیث کے بارہ میں دریافت کیا۔ تو شیخ عبدالعزیز نے فرمایا بھائی کل میں بتلاؤں گا کل صبح کے وقت یا کسی اور وقت ساتھیوں کو لیکر صحرا کیطرف نکلے، جب وہاں گئے تو ساتھیوں سے مریدوں سے کہا کہ کل تم نے "کانما ینحط من صبب" حدیث کا مطلب پوچھا تھا حضورؐ کی چال اور رفتار کے بارہ میں معلوم کیا تھا۔ تو مجھے معلوم نہ تھا تو رات میں مراقبہ ہوا اور اللہ نے مجھ پر فضل کیا۔ حضورؐ کی خدمت میں کشف کے ذریعہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ طلبہ رفتار مبارک کے بارہ میں دریافت کرتے ہیں کہ وضع اور ہیئت کیسی تھی تو حضورِ اقدسؐ نے فرمایا دیکھ میں چلتا ہوں۔ تو حضورؐ نے چند قدم خود لئے کہ میں ایسا چلتا ہوں —— تو شیخ نے مریدوں سے طلبہ سے کہا کہ دیکھو اب میں حضورؐ کی رفتار کی نقل اتارتا ہوں۔ حضورؐ نے میرے سامنے جو قدم مبارک اٹھائے وہ اس طرح تھے۔ اب جب شیخ چلنے لگے تو سب کے اوپر گریہ طاری ہوا غشی طاری ہوئی، سب رونے لگے وہ تو حضورِ اقدسؐ کی رفتار مبارک کی نقل تھی اس کا اثر سب پر ہونا تھا سب رونے لگے، خوشی سے رونے لگے۔

الغرض دل کی نورانیت جس کو حاصل ہو جائے اس کو اللہ تعالیٰ علم اور مکاشفہ کے ذریعہ منوّر کر دیتے ہیں۔ یہ الگ بحث ہے کہ کشف کے ذریعہ جو بات پیش ہو وہ حجّت ہو گی یا نہیں؟ حجّت تو قرآن شریف ہے، حجّت تو حدیث ہے۔ حجّت تو اجماع اور قیاس ہے اور تقدیر اس روایت عمار بن یاسر میں ایسے کمالات اور خوبیاں ہیں کہ علماء نے کہا کہ بظاہر موقوف ہے مگر ہمارا وجدان یہ ہے دل گواہی دیتا ہے کہ حدیث مرفوع ہو گی۔ اب وقت ختم ہو گیا ہے اس لئے حدیث کی تشریح نہیں ہو سکتی البتہ مختصراً کچھ عرض کرتا ہوں۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا کہ تین باتیں جس شخص میں

جمع ہوئیں گویا اس نے اپنا ایمان مکمل کر دیا۔

انصاف الانصاف من نفسك۔ ہر شخص اپنے بارہ میں دوسرے سے انصاف کا مطالبہ کرتا ہے، ہم خدا سے سب کچھ مانگتے ہیں جب معمولی بات میں بھی دیر ہو جائے تو خدا سے گلے شکوے کرتے ہیں اپنے نفس کو ملامت نہیں کرتے کہ ہزاروں کروڑوں حقوق ہم نے ادا نہیں کئے۔ اپنا نفس ہی باعث خسران ہوتا ہے۔ اس طرح آپس میں معاملات کا حال ہوتا ہے، اگر ہر شخص اپنے ساتھ انصاف کرتا اپنے نفس کو ملامت کرتا تو کوئی شر و فساد نہ ہوتا جو چیز اپنے لئے عیب جانے تب دوسرے کیلئے بھی عیب جانے جب کہے کہ فلاں بڑا بخیل ہے۔ تو یہ بھی خیال کرے کہ میں کہاں کا حاتم طائی ہوں یہ عیب مجھ میں تو نہیں یہ ہے انصاف۔ الانصاف جامع لفظ ہے۔ اس میں یہ سب کچھ آگیا، حقوق کا مطالبہ کرتا ہے تو فرائض کا بھی سوچے۔ دوسرے سے عدل کا طلبگار ہے تو اپنی حالت کو بھی دیکھے۔ انصاف سب سے پہلے خود اپنے ساتھ کرے گا۔ تب اوروں کے انصاف اور عدل کا بھی امیدوار ہوگا۔ آگے فرمایا وبذل السلام للعالم۔ اس میں تواضع کے ساتھ ساتھ خلق خدا سے ہمدردی بھی آگئی احترام انسانیت بھی آگیا۔ کا ذکر بھی جلب قلوب اور تالیف و میلان قلب کی بناء پر سلام کہنا مناسب ہے اس طرح بچوں پر بھی سلام کرنا چاہئے اپنے گھر اور کمرہ میں داخل ہوتے وقت بھی اگرچہ خالی ہو سلام مناسب ہے جو موجب منفعت و برکت ہے۔ اسلام نے دیگر مذاہب کیطرح سلام کا طریقہ رائج رکھا مگر اس کے معنی میں جو جامعیت ہے وہ کہیں دوسرے دعائی جملہ میں نہیں پائی جاتی کوئی صبحك الله بالخير — مساك الله بالخير کہتا ہے۔ انگریز گڈ مارننگ، ہندوستانی آداب عرض پٹھان ستڑے مہ شئ۔ خہ چارے ان سب میں جامعیت نہیں کسی خاص دعا اور خاص وقت سے تعلق ہے یا دعا ہے ہی نہیں مقصد سب کا احترام اور خبر گیری ہے مگر اسلام کی دعائے سلام بہترین جامع مانع ہے۔ فی کل وقت من الاوقات۔ دنیا و آخرت کی ہر قسم کی ظاہری و باطنی روحانی اور جسمانی عیوب و آفات سے سلامتی ہو تو اسلام کی ہر بات کیطرح یہ مختصر کلمہ بھی عجیب شان امتیاز رکھتا ہے۔

انفاق آگے فرمایا: الانفاق من الاقتار۔ فقر و احتیاج کے باوجود اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔ یہ غایۃ درجہ کرم ہے بہ نسبت اس کے کہ لاکھوں روپے کا مالک ہو تو اس میں سے کچھ دے دے صحابہؓ کی حالت یہ ہوتی کہ گھر میں۔ مد۔ صاع کے برابر بھی کچھ ہوتا وہ خدا کے کام پر دیدیتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مرضیات خداوندی پر چلنے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ضبط وترتیب
ابوالراشد ۔ ادارۃ الحق

ارشادات حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب مدظلہٗ

حکمتِ نکاح اور خوشگوار ازدواجی زندگی

اپنے حالیہ سفر پاکستان کے دوران یہ تقریر حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے لاہور کی ایک تقریب نکاح میں ارشاد فرمائی۔ ــــ ادارہ ــــ

ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃً ورحمۃً۔ الآیۃ ۔ اس آیت کریمہ میں نکاح کو اللہ کی آیات میں سے ایک آیت کہا گیا ہے۔ تو یہ جو فعل ہے نکاح اسے تو رات دن انسان برتتے رہتے ہیں۔

اس میں نشانی یا آیت ہونے کی کیا بات ہے تو اس کے بارہ میں عرض ہے، کہ نکاح میں ایک بات ایسی ہے جو انسان کے بس کی نہیں ہے۔ محض حق تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوتی ہے۔ مرد عورت دو انسان ہیں، دونوں اجنبی ہیں، ایک کا دوسرے سے کوئی ربط نہیں اور نکاح سے پہلے ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف ہوئی تو دوسرے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا اس لئے کہ کوئی تعلق نہیں، اور نکاح کے دو حرف پڑھتے ہی ایک دم قلوب بدل جاتے ہیں، ایک یگانگت اور الفت اور ایک تعلق فوری طور پر محسوس ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ کوئی اس وقت کہہ دے کہ عورت سے یا مرد سے کہ دوسرے کو تکلیف ہوئی، تو قلب میں تشویش پیدا ہو جائے گی۔ یہ رابطہ قلبی یکدم قائم کر دینا یہ آیت خداوندی ہے کہ ایک منٹ پہلے کچھ نہ تھا، ایک منٹ بعد ربط باہمی پیدا ہو گیا اس سے گویا نکاح کی خاصیت معلوم ہوتی ہے۔ اس کے مقاصد تو جو ہیں سو ہیں ہی، مگر پہلی خاصیت جو اس پر مرتب ہوتی ہے۔ وہ علاقہ باہمی اور رابطۂ باہمی ہے اور ربط بھی اتنے عموم کے ساتھ کہ اس ایک رابطے سے پھر ہزاروں رابطے پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ محض دو نہیں جڑتے بلکہ دو کے ساتھ سینکڑوں جڑ جاتے ہیں، خاوند کے عزیز بیوی کے عزیزوں کے ساتھ مربوط ہو جاتے ہیں۔ ایک خاندانی علاقہ قائم ہو جاتا ہے۔ اس واسطے تعلقات کی دو ہی نوعیتیں قرآن کریم میں ارشاد ہوئیں۔ فرمایا:

ھو الذی خلق لکم من الماء بشراً فجعلہٗ نسباً وصھراً۔ تعلق دو ہیں، ایک تو ہیں جدی رشتے اور

ایک صہری رشتے جو ازدواجی تعلق سے پیدا ہو جاتے ہیں تو جیسے ایک میں شاخ در شاخ عزیز ہیں اعمام ہیں، چچا تایا کے بھائی ہیں وہی نوعیت یہاں بھی ہوتی ہے۔ ساس، سسر اور ان کے عزیز۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رشتہ نکاح کی خاصیت ربط باہمی اور عموم ربط ہے کہ دو کا نہیں سینکڑوں کا باہمی ربط قائم کر دیا گیا۔ پھر تعلق در تعلق ہوتے ہوتے دور دور تک اس کے اثرات پہنچتے ہیں۔

—— اور چونکہ اسلام کا ایک عظیم الشان مقصد ربط اور اتحاد باہمی قائم کرنا ہے اور یہ ایک عظیم مقصد ہے اسلام کا اور اس کا ذریعہ ہے نکاح بھی تو شریعت اسلام نے نکاح کو بہت اہمیت دی اور اسکی ترغیب بھی دی —— چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقصد ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا ہے۔ یعنی جو بندے خدا سے ٹوٹ گئے انہیں اللہ سے جوڑنا اور جو بندے باہمی ٹوٹ گئے انہیں آپس میں جوڑنا تعلق مع الخالق اور تعلق مع الخلق دونوں رشتوں کو مضبوط کرنا اور صحیح اصول پر قائم کرنا یہ اسلام کا ایک عظیم مقصد ہے اور نکاح اس کا ذریعہ ہے۔ تو انبیاءؑ کو نکاح عزیز ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:

النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ نکاح میرا طریقہ ہے جو اس سے گریز کریگا وہ مجھ میں سے نہیں۔ ایک تو ہے مجبوری سے نکاح نہ کرنا کہ حالات سازگار نہیں ہیں اور ایک گریز اور اعراض کہ معاذ اللہ اس کو فضول سمجھے فرمایا کہ وہ میری جماعت میں شامل نہیں تو اسے اپنی قرار دیا ہے۔ سنّت مرسلین ہے۔ حضرت آدم سے یہ سنّت چلی تو مستمراً تمام انبیاء میں ہوتی آئی اس لئے فرمایا کہ یہ میری سنّت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اس تعلق کو مضبوط رکھنے کی سعی بھی فرمائی۔ اور یہی وجہ ہے کہ نکاح توڑنے والی چیز ہے طلاق۔ تو طلاق کو فرمایا گیا کہ: ابغض المباحات عند اللہ الطلاق۔ جائز چیزوں میں جس چیز سے اللہ کو سب زیادہ بغض ہے وہ طلاق ہے۔ اس لئے کہ وہ اس رشتے کو توڑتی ہے۔ جائز تو اس لئے کہ بعض حالات مجبوری کے پیش آئے مگر اس کے باوجود سب سے زیادہ بغض اس کے ساتھ ہے اس لئے کہ یہ ذریعہ ہے قطع نکاح کا اور یہ ذریعہ بنتا ہے قطع تعلقات کا اس سے انتشار پھیلتا ہے، قوم میں، خاندانوں میں، اس واسطے اسے مبغوض قرار دیا گیا۔ انبیاء کے ہاں اتحاد کیطرح وسائل اتحاد بھی عزیز ہیں کہ کسی طرح باقی رہیں اس کے بالمقابل شیاطین کا مقصد ہے دنیا میں عداوت انتشار اور تفریق پیدا کرنا، اس تعلق میں فرق پڑے تو یہ شیاطین کی انتہائی خوشنودی کا ذریعہ بنتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ شیطان روزانہ اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے۔ اور اس لئے کہ مشابہت پیدا کرے حق تعالیٰ سے کہ اس کا عرش پانی پر ہے۔ اس کے لشکر شیاطین در غلانے والے آ آکر اسے رپورٹ دیتے ہیں۔ تو ایک آتا ہے کہ میں نے فلاں سے جھوٹ کہلوا دیا۔ تو شیطان کہتا ہے کہ بڑا کام کیا تو نے مگر کوئی اتنی بڑی بات نہیں کی ایک آکر کہتا ہے کہ چوری کروائی۔ غرض گناہوں کی فہرستیں دیتے ہیں مگر وہ کہتا ہے، بہتر ہے مگر قابلِ انعام

بات نہیں، پھر آکر کہتا ہے کہ میں نے خاوند اور بیوی میں لڑائی کروا دی تو یہ اٹھ کر اسے لپٹ جاتا ہے۔ کہ تو ہے میرا سپوت، اس لئے کہ اس سے عنینا عداوت اور ربط باہمی کا توڑ پیدا ہوتا ہے، اور کاموں سے اتنا نہیں اوّل تو دو آدمی ٹوٹتے ہیں۔ وہ ٹوٹے تو پھر دونوں کے عزیز بھی باہم ٹوٹتے ہیں۔ اگر بااثر ہوں تو دونوں کے زیرِ اثر بستی کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ اور زیادہ بااثر ہیں بادشاہ اور بیگم شاہ ہیں تو لڑائی دونوں فوجوں میں جڑ جائے گی ملکوں میں انتشار پیدا ہو گا۔

غرض یہ چیز انتشار نا اتفاقی اور ٹوٹ پھوٹ کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس کے ساتھ پھر سینکڑوں گناہ سرزد ہونے لگتے ہیں، غیبتیں الگ، چغلخوری الگ جھوٹ الگ مقدمہ بازی الگ تہمت طرازی الگ ایک گناہ میں سینکڑوں گناہ چھپے ہوئے ہیں، اس لئے شیطان اسے لپٹ جاتا ہے کہ تو نے بڑا کام کیا۔ ادھر انبیاء کا مقصد یہ ہے کہ تعلق مضبوط رہے، شیاطین کا یہ کہ ٹوٹ جائے، بالمقابل دو قوتیں ہیں۔

اس واسطے شریعت اسلام نے زوجین کو مناسب حال ہدائتیں دیں تاکہ رشتہ مضبوط رہے مرد کو شفقت و کرم کا امر کیا کہ لطف و مدارات سے عنایات سے پیش آئے اور عورت کو حکم اطاعت کا تابعداری کا دیا۔ ارشادِ نبویؐ ہے: ان اکرم المومنین احسنکم اخلاقاً والطفکم اھلاً۔ تم میں سے سب سے زیادہ قابلِ تکریم وہ مسلمان ہے کہ جس کے اخلاق بلند اور پاکیزہ ہوں اور عورتوں بیویوں کے ساتھ مدارات کا برتاؤ کرتا ہو، لطف و کرم کرتا ہو ــــــ تو مرد کو تو ہدایت دی کہ لطف و کرم کرو ــــــ اور یہ عقلاً بھی ضروری ہے کہ عورت اپنے ماں باپ اپنے عزیزوں سب سے الگ تھلگ ہو کر اس کے پاس آگئی ہے۔ وہ بھی سخت دلی کرے تو اس کا ٹھکانہ کہیں نہ ہو گا اس نے سب کو چھوڑا خاوند کی وجہ سے خاوند نے چھوڑا بداخلاقی کی وجہ سے، تو اس کا کہیں سہارا باقی نہ رہے گا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ: الطفکم اھلاً۔ وہی قابلِ تکریم ہیں عند اللہ جو سب سے زیادہ لطف و کرم سے پیش آنے والا ہو ازواج کے ساتھ۔ اس لئے حضورؐ نے ازواج مطہرات کے ساتھ انتہائی لطف و کرم کا برتاؤ فرمایا۔ قدم بقدم دلجوئی فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا آؤ ہم اور تم مل کر دوڑیں اور دیکھیں کون آگے نکلتا ہے، دوڑ ہوئی تو حضورؐ آگے نکل گئے اور صدیقہؓ پیچھے رہ گئیں۔ اس کے بعد جب عمر شریف آخیر ہوئی اور بدن تھوڑا سا بھاری ہو گیا۔ پھر فرمایا چلو دوڑیں۔ اب کے حضرت صدیقہؓ آگے نکل گئیں، بدن چھریرا تھا اور حضورؐ ذرا بھاری ہو گئے تو فرمایا: تلک بتلک ـ یہ اس کے بدلے رہا۔ اب۔ کوئی کہے کہ انبیاء کرامؑ کو بھاگ دوڑ سے کیا تعلق وہ تو دین اور رہنمائی سعادت پیدا کرنے کے لئے آتے ہیں۔ یہ بھاگ دوڑ کیسی ــــــ؟

اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو بے تکلفی حتیٰ کہ لہو و لعب جو نامناسب سمجھی جاتی ہیں، یہاں

حتیٰ کہ بعض اوقات حضرت صدیقہؓ کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھے ہیں۔ آپ نے منہ میں لقمہ رکھا تو حضورؐ نے چھین کر استعمال فرمایا حالانکہ وہ زمانہ تھا ایام کا۔ تو ایک طرف تو ہدایت فرمائی تھی کہ ایام میں عورت ناپاک نہیں ہوتی۔ حقیقی نہیں حکمی ناپاک ہے۔ جاہلیت میں اسے ایام میں اچھوت سمجھا جاتا، اس کا رد کرنا مقصود تھا۔ اور آپ کو یہ تبلانا تھا کہ منہ بھی ناپاک نہیں، لقمہ بھی کھالیا۔ تو اس میں بھی ناپاکی نہیں اور ادھر اس بے تکلفی سے دل کو موہنا تھا اور دل پر قبضہ کرنا تھا تو ایسی چیزیں انجام دیں کہ عورتوں کے ساتھ محبت و مروت اور اخلاق کا برتاؤ ہو اور عورتوں کو حکم دیا کہ تابعداری اور اطاعت کریں۔ یہاں تک فرمایا کہ اگر غیر اللہ کیلئے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں، یہ انتہائی تاکید تھی کہ عبادت تو نہیں کر سکتیں لیکن اطاعت اور توقیر جتنی کر سکے وہ کی جاوے۔

—— تو جس گھر کے اندر ایک طرف سے شفقت ہو دوسری طرف سے اطاعت ہو تو اس سے بہتر خوشگوار زندگی بھلا کہیں ہو سکتی ہے۔ اور اگر اس کے برعکس ہو جائے کہ مرد میں سخت گیری ہو اور عورت میں بجائے اطاعت کے سرکشی بغاوت اور تمرّد ہو وہ گھر کبھی نہیں پنپ سکتا۔ پھر عورتیں تو ناقص العقل ہوتی ہیں۔ اس لئے مرد کو بغیر صبر و تحمل کے کوئی صورت نہیں۔ تو مرد کا فرض ہے کہ تحمل اور داشت و برداشت کا معاملہ کرے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے، حضرت آدم کی پسلی سے۔ اور پسلی تو خلقۃً ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر سختی سے درست کرنا چاہے ٹوٹ جائے گی ویسے چھوڑا تو اور زیادہ مڑ جائے گی۔ تو اعتدال سے کام لینا ہوگا۔ کچھ نرمی کچھ گرمی، محبت بھی پیار بھی اور کبھی دھمکی بھی دیدی —— ع درشتی و نرمی بہم —— الخ

دونوں سے مل کر کام چلتا ہے جیسے جراح نشتر بھی لگاتا ہے اور مرہم بھی کہ ٹھنڈک پہنچ جائے۔ اب اگر مرد چاہے کہ عورت میری اتنی عقلمند ہو تو فطرت کے خلاف ہے۔ بلکہ ایک طرف صبر و تحمل اور شفقت اور دوسری طرف اطاعت اور یہ سمجھ کر کہ اللہ نے اسے میرے حصہ میں لگایا تو اس کے حقوق کی ادائیگی میرا فرض ہے۔ فرمایا:

تنکح المرأۃ لمالھا ولجمالھا ولحسبھا ولدینھا۔ چار وجوہ سے شادی کی جاتی ہے کہیں تو حسن و جمال کی وجہ سے کہ طبیعت مائل ہے کبھی مال کی وجہ سے کہ عورت مالدار ہے۔ تو مال میرے بھی کام آئے گا، کبھی حسب کی وجہ سے کہ حیثیت عرفی اور خاندان اونچا ہے۔ میں بھی شامل ہوں گا تو میں بھی اونچا ہو جاؤں گا۔ اور کبھی دین کی وجہ سے کہ عورت صوم و صلوٰۃ کی پابند ہے۔ تو فرمایا کہ: فاظفر بذات الدین —— ترجیح دو دینی حیثیت کو اس لئے کہ حسن کو بڑھاپا ختم کر دیتا ہے بیماری ختم کر دیتی ہے مدار تعلق یہ تھا ختم ہو گیا تو تعلق بھی بگڑ جائے گا، وہ کیفیت انشراح بھی ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح مال بھی چلتی چھاؤں ہے۔ ہزاروں امیر غریب ہوتے دیکھے گئے تو اعتبار کی چیز نہیں مال ختم ہو گیا تو تعلق بگڑے گا۔ اور حیثیت عرفی کی وجہ سے تو انقلابات میں خاندان اونچے نیچے اور نیچے اونچے ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی گھٹتی اور بڑھتی چیز ہے۔ تو جب مدار تعلق خاندان ہو تو ناپائدار چیز ہوگی۔ مگر دین سدا بہار چیز ہے جب

دین کی وجہ سے تعلق ہوگا تو مرد یہ کہے گا کہ اللہ نے اسے میرے حصہ میں رکھا ہے چاہے صاحب مال ہے یا غریب چاہے صاحب جمال ہے یا نہیں چاہے خاندان والی ہے یا نہیں ، حیثیت بلند ہے یا نہیں مگر میرا فرض تو حقوق پورے کرنا ہے ۔ بیوی یہی سمجھے گی کہ خدا نے میرے حصے میں لگا یا تو مجھے تو اطاعت کرنی ہے ۔ دین تو مرتے دم تک ہے ۔ دوامی چیز ہے تو اس پر مبنی تعلق بھی دوامی ہوگا اس لئے فرمایا کہ : فاظفر بذات الدین ۔ بہرحال مرد کو حکم دیا گیا کہ تجھے قوام بنایا گیا ہے ۔ تو حکمران کو ہدایت شفقت کی ہوئی ، اور محکوم کو کہا گیا کہ تیرا کام اطاعت ہے ۔ اس واسطے نکاح کے سلسلہ میں بنیادی چیز ایک جانب شفقت اور دوسری طرف اطاعت ہے پھر معیشت منزل واقعی جنت بن جاتی ہے ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

■■

جناب سلیم الحق صدیقی صاحب

تقسیم ہند اور قادیانی

تقسیم ہند کے وقت مسلم لیگ کے "قابلِ فخر" مرزائی وکیل سر ظفر اللہ نے گورداسپور کے مسلم اکثریتی ضلع کی تحصیل پٹھانکوٹ کو طشتری میں سجا کر ہندوستان کو پیش کر دی اور ساتھ ہی راوی کے پانی اور بھارتی افواج کیلئے کشمیر میں داخلہ کا راستہ بھی خود بخود انڈیا کو منتقل ہوگیا ۔۔۔ پاکستان کو مرزائیوں کے ہاتھوں کتنے نقصانات پہنچے اسکی تفصیل ناقابلِ تردید شواہد کے ساتھ پڑھیئے۔ ۔۔۔"ادارہ"۔۔۔

۱۸۴۴ء میں سید علی محمد باب نے مہدیت کا دعویٰ کیا جسکی پاداش میں ایرانی حکومت نے اسے سُولی پر لٹکا دیا۔ اپنی موت سے پہلے سید علی محمد باب بہا اللہ کو اپنا وصی اور جانشین مقرر کر گیا۔ یہ وہی بہا اللہ ہے جس نے بہائی مذہب کی باقاعدہ بنیاد رکھی۔ اور اپنے آپ کو مسیح موعود قرار دیا۔ آج تمام بہائی مذہب کے پیروکار سید علی محمد باب کو مہدی آخر الزمان مانتے ہیں۔ اور بہا اللہ کو مسیح موعود اور نبی کہتے ہیں۔ اس مذہب کا مرکز حیفہ اسرائیل میں واقع ہے۔ جہاں پر برطانوی دورِ حکومت میں اس نئے مذہب کو مکمل تحفظ دیا گیا۔ بہا اللہ نے ۱۸۶۳ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور ۱۸۹۲ء میں اپنی موت تک ہندوستان میں بھی اپنے نئے مذہب کا تبلیغی لٹریچر ارسال کرتا رہا۔ اور بہائی مذہب کی نشر و اشاعت پر بے دریغ روپیہ صرف کیا۔

غالب خیال یہ ہی ہے۔ کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود۔ مہدی اور نبی بننے کا وسوسہ بہائی لٹریچر پڑھنے کے بعد پیدا ہوا۔ سید علی محمد باب کی عبرت ناک موت اس کے دل میں کوئی خوف پیدا نہ کر سکی۔ کیونکہ اسکو برطانوی حکومت سے اپنے تحفظ اور مدد کا پورا یقین تھا۔ ایرانی مسیح موعود بہاء اللہ کی کامیابیاں دیکھ دیکھ کر ہندوستانی مسیح موعود بننے کی تڑپ مرزا کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ آخر کار مرزائے قادیان نے مسیح موعود اور مہدی آخر الزمان ہونے کا اعلان کر ہی دیا۔ اور اپنے اس نئے مذہب کی بنیاد مسلمانوں کی نفرت اور حقارت پر رکھی۔ اور تمام مسلمانوں کو اسے مسیح موعود نہ ماننے کی پاداش میں کافر کنجریوں کے بچے اور جنگلی سور قرار دیا۔ (دیکھئے نجم الہدیٰ از مرزائے قادیان)

یہ ہی وہ عوامل تھے۔ جنکی بنا پر قادیانی مذہب اختیار کرنے والے افراد مسلمانوں کے بدترین دشمن بن گئے اور انکی گھات میں رہنے لگے۔ کہ کہاں موقعہ ملے اور ہم مسلمانوں کو زک پہنچائیں۔ یہاں تک کہ یہ لوگ مسلمانوں کی سیاسی قیادت میں بھی گھس آئے۔ اور مسلمانوں کی سادگی اور بھولے پن سے انہوں نے کافی ناجائز فائدہ بھی

اٹھایا۔ اور برطانوی و ہندو سامراج کے اشارے پر مسلمانوں کا بیڑہ غرق کرنے میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اسلامیانِ ہند کی قیادت میں جو مرزائی پیش پیش رہے۔ ان میں مرتد اعظم چوہدری سر ظفر اللہ خان قادیانی کا نام سرِفہرست ہے۔ پنجاب کے مشہور سیاست دان سر فضل حسین کی حمایت اور تائید سے سر ظفر اللہ نے تحریک خلافت کے بعد سیاست ہند میں ایک مضبوط پوزیشن حاصل کر لی۔ اور یہاں تک کہ یہ شخص ۱۹۳۲ء میں مسلم لیگ کا صدر بھی بنا۔ بہرحال یہ ایک طویل افسوس ناک داستان ہے جسکی اس مضمون میں گنجائش نہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ ۳ رجون ۱۹۴۷ء کو وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے آل انڈیا ریڈیو سے تقسیم ہند کا اعلان کیا۔ اس اعلان کو آزادیٔ ہند ایکٹ ۱۹۴۷ء یا "INDIAN INDEPENDENCE ACT, 1947" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اور برطانوی ہند کو تقسیم کر کے ہندوستان اور پاکستان کی دو مملکتوں کے قیام کا اعلان کیا۔ مسلم لیگ کے اصل مطالبہ پاکستان کو نظر انداز کر کے مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں پنجاب اور بنگال کو غیر منصفانہ اور ظالمانہ طور پر تقسیم کر دیا گیا۔ مسلمان جو برطانوی ہند کی آبادی کا ایک چوتھائی حصہ تھے، پاکستان کی صورت میں مسلمانوں کو برطانوی ہند کی آبادی کا صرف آٹھواں حصہ دیا گیا۔ تقسیم کا اصول یہ رکھا گیا۔ کہ مسلم اکثریتی ضلع صوبائی تقسیم کا ایک یونٹ ہو۔ مسلم اکثریتی اضلاع کے علاقہ کو مغربی پنجاب اور مشرقی بنگال کا نام دیا گیا۔ اور غیر مسلم اکثریتی اضلاع کے حصے کو مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال کا نام دیا گیا۔ اور ساتھ ہی ایک حد بندی کمیشن قائم کیا گیا جسکا سربراہ سر سیرل ایڈ کلف مقرر ہوا۔ پنجاب باؤنڈری کمیشن میں دو مسلم جج جسٹس دین محمد اور جسٹس محمد منیر کو لیا گیا۔ اور غیر مسلموں کیطرف سے جسٹس تیجا سنگھ اور جسٹس مہر چند مہاجن کا تقرر ہوا۔ مسلمانوں کی بدقسمتی ملاحظہ فرمائیے۔ کہ مسلم لیگ کیطرف سے وکیل چوہدری سر ظفر اللہ خان کو مقرر کیا گیا۔ ایسا شخص جو مسلمانوں کو کافر سمجھتا ہو۔ اور جس کے مذہب کی بنیاد مسلمانوں کی نفرت پر ہو۔ اس سے کسی قسم کے خلوص کی امید رکھنا حماقت تھی۔ اس شخص نے پاکستان اور اسلامیانِ ہند کو تاریخ کا ایک عظیم دھوکا دیا۔ جسکی تلافی آئندہ شاید پھر کبھی نہ ہو سکے۔ اس نام نہاد قادیانی وکیل نے پاکستان اسلامیانِ ہند و کشمیر کو جو زک پہنچائی اس کا ازالہ بھی شاید آئندہ پھر کبھی نہ ہو سکے۔ اس عظیم دھوکے کی شہادت خود ظفر اللہ کی لکھی ہوئی اپنی آپ بیتی تحدیث نعمت دے رہی ہے۔ لیکن افسوس آج تک اس کی گرفت کرنے کی ہمت کسی شخص کو نہیں ہوئی۔

اس سلسلہ میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ پاکستان کو آزادیٔ ہند ایکٹ ۱۹۴۷ء کے تحت پنجاب کی پوری ملتان ڈویژن کے اضلاع۔ راولپنڈی ڈویژن کے پورے اضلاع اور لاہور ڈویژن کے اضلاع ماسوائے ضلع امرتسر کے ملنے تھے۔ ضلع امرتسر میں معمولی سی غیر مسلم اکثریت ہونے کی بناء پر اس ضلع کو ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔ لاہور ڈویژن کا ضلع گورداسپور جہاں پر مسلمان غیر مسلموں سے تعداد میں ۲.۲۸ فیصد زیادہ تھے

۳ جون کے اعلان کے مطابق پاکستان میں شامل تھا، یہ ضلع پاکستان کے لئے زبردست اہمیت کا حامل تھا۔ اول تو اس ضلع کی تحصیل پٹھان کوٹ میں دریائے راوی پر مادھو پور ہیڈ ورکس واقع تھا۔ جہاں سے اپر باری دوآب نہر نکل کر ضلع ملتان تک کے علاقہ کو سیراب کرتی تھی۔ یا دوسرے معنوں میں مادھو پور دریائے راوی کے پانی کی کنجی تھی۔ دوم ریاست جموں اور کشمیر کا آخری راستہ یعنی کٹھوا روڈ (KATHUA ROAD) مادھو پور ہیڈ ورکس کے اوپر سے ہو کر گزرتا تھا۔ اسطرح کشمیر کے تمام راستوں پر پاکستان کا قبضہ ہو جاتا تھا۔ اور بھارت کے لئے کشمیر میں داخل ہونے کا اور کوئی راستہ باقی نہیں رہتا تھا۔ سوم دریائے بیاس ضلع گورداسپور کی مشرقی سرحد پر واقع تھا۔ جو دفاعی لحاظ سے پاکستان کی قدرتی اور محفوظ باؤنڈری کا کام دیتا۔ اور ساتھ ہی ساتھ لاہور جیسے اہم اور بڑے شہر کا دفاع بھی بہت بہتر ہو جاتا۔ ان تمام حقائق سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ضلع گورداسپور بمعہ تحصیل پٹھان کوٹ کے پاکستان کے لئے کتنا اہم اور قیمتی ضلع تھا۔ جسکی بدولت ہمیں ریاست جموں و کشمیر کا پچاسی ہزار ۸۵۰۰۰ مربع میل علاقہ مل رہا تھا۔ اور ہماری زرعی زمینوں کی آبادکاری کے لئے دریائے راوی کا تمام پانی ہمیں دستیاب ہوتا۔ جو اب سب ہندوستان کی تحویل میں چلا گیا ہے۔ اور یہ پانی چھن جانے سے ہمارے کاشتکاروں کو کروڑہا روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اب حدبندی کمیشن کے سامنے تقسیم پنجاب کو آخری شکل دینے کے لئے مسلم لیگ کو اپنا موقف پیش کرنا تھا۔ اس دوران یہ سوال زیر بحث آیا کہ تقسیم کے یونٹ کا تعین کسطرح کیا جائے۔ آیا تقسیم کا یونٹ مسلم اکثریتی ضلع کو ہی رکھا جائے۔ یا مسلم اکثریتی کمشنری یا دوآبے کو یونٹ قرار دینے پر زور دینا چاہئے۔ ضلع کو یونٹ تسلیم کرنے پر ہمیں جو اضلاع آزادی ہند ایکٹ کے تحت عارضی طور پر مل گئے تھے وہی برقرار رہتے۔ اور کمشنری یا دوآبہ کو اگر یونٹ بنایا جاتا تو ہمیں ضلع امرتسر، لاہور کمشنری میں واقع ہونے کی وجہ سے مل جاتا۔ کیونکہ مجموعی طور پر مسلمان لاہور کمشنری میں ایک بہت بڑی اکثریت رکھتے تھے۔ اس طرح دریائے بیاس پاکستان کی قدرتی اور محفوظ سرحد بن جاتا۔ اور ساتھ ہی دریائے راوی کا تمام پانی مل جانے سے مغربی پنجاب پانی میں خود کفیل ہو جاتا۔ اور منگلا بند سے ہمیں بے ترتیب نہریں نکالنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

لیکن آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ ظفر اللہ نے اپنی مرضی اور مسلم لیگ کے نام سے حدبندی کمیشن کے سامنے تحریری بیان میں ایک خطرناک تجویز پیش کی وہ یہ کہ پنجاب کی تقسیم کا یونٹ ضلع یا کمشنری کی بجائے تحصیل کو قرار دیا جائے۔ اور ساتھ ہی ظفر اللہ نے یہ بھی پخ لگا دی کہ پھر اس میں بھی دوسرے امور کی بنا پر رد و بدل کر دیا جائے۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلم اکثریت کی تحصیلیں پاکستان کو ملیں اور غیر مسلم اکثریت کی تحصیلیں ہندوستان کو ملیں۔ اور پھر اس میں بھی کمیشن دوسرے امور کی بنا پر رد و بدل کر سکتا ہے۔ جب یہ میمورنڈم حدبندی

کمیشن کے سامنے آیا۔ جو مسلم لیگ کیطرف سے عرضی دعوے کی حیثیت رکھتا تھا۔ تو ہمارے مسلم جج اسکو پڑھ کر حیران اور پریشان ہوگئے۔ (دیکھئے "مارشل لار سے مارشل لا تک" مصنفہ سید نور احمد) اس میمورنڈم میں یہ موقف اختیار کیا گیا تھا۔ اور اس پر بہت زور دیا گیا تھا کہ مسلم اور غیر مسلم علاقے یا مشرقی اور مغربی پنجاب کی اصولی حدود متعین کرنے کے لیے ضلع کو یونٹ قرار دینا غلط ہے، اس لئے تحصیل کو یونٹ قرار دینا چاہئے پھر جو بنیادی نقشہ اس طرح قائم ہو، اسے آخری شکل دینے کے لئے اس میں دوسرے امور کی بنا پر مناسب رد و بدل کر دیا جائے۔

ظفر اللہ کے اس طرز استدلال سے جو عملی نتائج برآمد ہوئے وہ نہایت ہی خطرناک تھے تحصیل پٹھان کوٹ جو ایک بہت معمولی اکثریت سے ضلع گورداسپور کی واحد غیر مسلم تحصیل تھی، اسکی بنیادی حیثیت اتفاق رائے کے ساتھ طے ہوگی۔ اور یہ تحصیل بحث اور اختلاف کے دائرے سے خارج ہوگئی۔ یا دوسرے الفاظ میں مسلم لیگ کے "قابل فخر" مرزائی وکیل نے ضلع گورداسپور کے مسلم اکثریتی ضلع کی تحصیل پٹھان کوٹ کو طشتری میں سجا کر ہندوستان کو پیش کر دی۔ کیونکہ اب حد بندی کمیشن کے سامنے دونوں فریق کا کوئی عذر اس تحصیل کے لئے نہ رہا۔ اور ساتھ ہی راوی کا پانی اور بھارتی افواج کے لئے کشمیر میں داخلے کا راستہ بھی خود بخود انڈیا کو منتقل ہوگیا۔ قادیانی بروقت امداد سے ہندو اپنی کامیابی سے پھولا نہ سماتا تھا ظفر اللہ کی اپنی آپ بیتی کی کتاب "تحدیث نعمت" میں بھی اس بات کا قوی ثبوت ملتا ہے کہ یہ تحصیل والی سکیم خالص قادیانیوں کے دماغ کی اختراع تھی۔

اب دوسری صورت یہ پیش آئی کہ تحصیل فیروز پور زیرہ، جالندھر اور نواں شہر کی مسلم اکثریتی تحصیلیں بھارتی مشرقی پنجاب میں جزیروں اور جزیرہ نما کی صورت اختیار کئے ہوئے تھیں اور غیر مسلم اکثریتی اضلاع میں واقع تھیں خاص کر تحصیل نواں شہر اور جالندھر تو بالکل جزیرے بنے ہوئے تھے۔ اب ان کے ساتھ جغرافیائی وحدت نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان میں ان کا شمول ممکن نہ تھا۔ اور نہ پاکستان ان کا دفاع کر سکتا تھا۔ اب رہا ضلع گورداسپور کی مسلم اکثریتی تحصیل بٹالہ اور گورداسپور۔ تو ان کی حیثیت بھی ضلع امرتسر اور پٹھان کوٹ نکل جانے سے ایک جزیرہ نما کی ہوگئی تھی۔ اور تین طرف سے ہندوستان میں گھر گئی تھیں۔ اب ظفر اللہ کی پیش کردہ دوسرے امور کے تحت رد و بدل کے اختیار کے تحت ریڈ کلف۔ سے، کو تسلیم کرنا پڑا کہ ان جزیرہ نما تحصیلوں کا نہری آبپاشی، معاشی اور جغرافیائی طور سے الگ تھلگ ہونے کی بنا پر ان کو پاکستان کا حصہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اور تو اور دیگر امور کے تحت ریڈ کلف نے ضلع لاہور کی تحصیل قصور کا آدھا علاقہ کاٹ کر ہندوستان کو دیدیا۔ کیونکہ اس تحصیل کا ایک گاؤں ہری کے (HARIKE) ستلج اور بیاس کے سنگم پر واقع تھا۔ لہذا ہندو سنگم پر پاکستان کا قبضہ برداشت نہ کر سکتا تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قادیانیوں کے یہ تباہ کن اور احمقانہ تجویز پیش کرنے میں کیا مقاصد کار فرما تھے اس سلسلہ میں ظفر اللہ نے اپنی کتاب تحدیث نعمت کے ص ۵۰۶ پر اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ خلیفۃ المسیح ثانی

مرزا بشیر الدین محمود نے مسلم لیگ کا کیس تیار کرنے میں گراں قدر مدد فرمائی۔ اور اپنے خرچے پر دفاعی امور کے ایک ماہر پروفیسر SPATE سپیٹ کی خدمات انگلستان سے حاصل کی گئیں جو ریڈ کلف کمیشن کے روبرو نقشہ جات کی مدد سے دفاعی پہلو ظفر اللہ کو سمجھاتا رہا۔ اور مرزا محمود نے انگلستان سے متعلقہ خاص اور اہم ضروری کتابیں قادیان منگوائیں جن کو ایک موٹر سائیکل سوار سائڈ کار میں رکھ کر لاہور ظفر اللہ کے پاس لایا۔ ان کتابوں میں کیا تحریر تھا۔ اور نقشہ جات کی مدد سے پروفیسر سپیٹ نے کیا مشورے دئے۔ یہ بتانے سے ظفر اللہ نے گریز کیا ہے۔ البتہ یہ تحریر کیا ہے۔ کہ پروفیسر سپیٹ نے دفاعی پہلو مجھے خوب سمجھایا۔ اور بحث کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانی خود بھی اجلاس میں تشریف فرما رہے۔

اس سلسلہ میں ایک نظریہ یہ ہے کہ قادیانی اپنے مرکز قادیان کو کسی صورت میں بھی پاکستان میں شامل ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ قادیاں ہندوستان میں زیادہ محفوظ رہے گا۔ اور اگر کبھی پاکستان سے انہیں فرار ہونا پڑے تو وہ بھاگ کر اپنے اصل مرکز میں واپس آسکیں۔ جیسا کہ معلوم ہے۔ کہ قادیاں میں مرزائی لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اب بھی موجود ہے۔ قادیان کیونکہ ضلع گورداسپور میں واقع تھا۔ اور یہ ضلع پاکستان کو عارضی تقسیم میں مل گیا تھا۔ لہذا مرزا محمود سخت پریشان تھا۔ اور حد بندی کمیشن کے روبرو بحث میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی اور وہاں جا کر گھنٹوں بیٹھے رہنا اسکی بے قراری کو ظاہر کرتا تھا۔ پروفیسر اسپیٹ جو غالباً جغرافیہ کا پروفیسر تھا۔ اس سے نقشے بنوا بنوا کر دیکھنا صرف ایک ایسے حل کی تلاش تھی، جو ضلع گورداسپور کو پاکستان سے نکال دے۔ آخر کار تحصیل والی سوچی سمجھی اسکیم بڑے عیارانہ طور پر تیار کر ہی لی گئی۔ اس سلسلہ میں یقیناً ہندو سے بھی رابطہ قائم کیا گیا ہوگا۔ تاکہ قادیانی اپنا احسان جتا کر قادیان کی حفاظت کا جواز پیدا کر سکیں۔ کہ ہم نے بھارت کو پچاسی ہزار مربع میل رقبہ کی ریاست جموں اور کشمیر کا راستہ دلوایا۔ اگر قادیانی مسلم لیگ کیطرف سے ضلع پاکستان ہی کو تقسیم کا یونٹ بنانے کی تجویز کمیشن کے سامنے پیش کرتے۔ تو پھر بھارت کو کشمیر کا راستہ کسطرح ملتا۔ اور قادیان بھی پاکستان میں آجاتا۔ جو یقیناً مرزائیوں کے مفاد کے خلاف تھا۔ مرزائیوں نے دیگر امور کی بناء پر رد و بدل کی اجازت دیکر ریڈ کلف کے لئے ہر ناجائز کاروائی کا جواز پیدا کر دیا۔ اور ہمارے مسلم اکثریتی علاقے کاٹنے کی کھلی چھٹی دیدی۔

جسٹس دین محمد مرحوم جو باؤنڈری کمیشن کے مسلمان ممبر تھے۔ ایک حساس اور مسلمان دل رکھتے تھے، ان تمام حرکتوں کے بعد مرحوم نے انکشاف کیا۔ کہ پنجاب کی حد بندی لائن بالا بالا طے ہو چکی ہے۔ اور حد بندی کمیشن کی کاروائی محض ایک ڈھونگ ہے۔ ظفر اللہ کی شرارت سے وہ اور بھی زیادہ بد دل ہو گئے تھے۔ جسٹس دین محمد مرحوم نے سوچا کہ اس کا علاج صرف ایک ہے کہ کمیشن کے مسلمان جج مستعفی ہو جائیں تاکہ ریڈ کلف اپنا جانب دار فیصلہ ہندو کے حق میں صادر نہ کر سکتے۔ لیکن بدقسمتی سے ان کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اور یہ آخری موقع بھی

ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ جس کے نتیجہ میں کشمیر اور پانی کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے ہماری آئندہ نسلوں کے لئے ایک عذاب کی صورت اختیار کر گیا۔

ظفر اللہ قادیانی کے سفید جھوٹ حیرت ہے کہ ایک شخص جو بین الاقوامی عدالت کا جج رہ چکا ہو۔ اور وہ سفید جھوٹ بولے۔ اور پھر بڑی بے حیائی سے یہ سفید جھوٹ اپنی آپ بیتی میں تحریر کر کے تمام دنیا کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرے۔ قارئین کو تحصیل یونٹ بنانے کا قصہ تو معلوم ہو ہی گیا ہوگا کہ قادیانیوں نے کسطرح سازش کر کے ہمارے جان سے زیادہ عزیز ملک پاکستان کو نقصان پہنچایا۔ اب ظفر اللہ خان قادیانی کی مکر و فریب سے بھری ہوئی تحصیل والے موقف کی تائید میں لغو اور جھوٹی تاویلات بھی ملاحظہ فرمائیے۔ مثال مشہور ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے جھوٹے کو دس اور جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ قادیانی سازش چھپانے کے لئے ظفر اللہ اپنی آپ بیتی "تحدیث نعمت" میں صفحہ ۵۰۸ پر رقمطراز ہے:

"عارضی انتظامی تقسیم میں راولپنڈی، ملتان اور لاہور ڈویژن کے جملہ اضلاع ماسوائے کانگڑہ مغربی پنجاب میں شامل کئے گئے تھے۔ اگر ہماری طرف سے ضلع کو یونٹ قرار دئے جانے کا مطالبہ کیا جاتا تو اضلاع میں سے امرتسر کو ترک کرنا پڑتا۔ اس خدشہ کا اظہار بھی کیا گیا کہ اگر ہم نے ضلع کو یونٹ قرار دینے کا مطالبہ کیا تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ ہم انتظامی تقسیم میں جو علاقہ مغربی پنجاب میں شامل کیا گیا ہے۔ اس سے بھی کم علاقہ لینے پر رضامند ہیں"

اول سب سے بڑا جھوٹ تو یہ ہے کہ ضلع کانگڑہ جسکو ظفر اللہ لاہور ڈویژن میں شمار کر رہا ہے ہمیشہ سے جالندھر ڈویژن میں شامل تھا۔ جو پوری کی پوری ہندوستان کو ملی تھی۔ اسکو صحیح بات یہ لکھنی چاہیے تھی۔ کہ عارضی تقسیم میں راولپنڈی، ملتان، اور لاہور ڈویژن کے جملہ اضلاع ماسوائے امرتسر مغربی پنجاب میں شامل کئے گئے تھے۔ اس کے ثبوت میں آزادئ ہند ایکٹ ۱۹۴۷ء دیکھا جا سکتا ہے۔ جو اکثر کتب خانوں میں موجود ہے، اور اس کے جدول میں تمام عارضی انتظامی تقسیم کے اضلاع کی فہرست درج ہے۔

دوسرا جھوٹ ظفر اللہ نے یہ بولا ہے۔ کہ ضلع امرتسر ۳ جون کے اعلان میں پاکستان میں شامل تھا۔ جو اسکو مندرجہ بالا تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ حالانکہ اسی ایکٹ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ کہ ضلع امرتسر جو ایک غیر مسلم اکثریتی علاقہ تھا۔ ہندوستان میں شامل کیا گیا تھا۔

تیسرا جھوٹ ظفر اللہ نے یہ بولا ہے کہ اگر ہم نے ضلع کو یونٹ قرار دئے جانے کا مطالبہ کیا تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا۔ کہ ہم انتظامی تقسیم میں جو علاقہ مغربی پنجاب میں شامل کیا گیا ہے۔ اس سے بھی کم علاقہ لینے پر رضامند ہیں ——— حالانکہ آزادئ ہند ایکٹ میں صرف وہی اضلاع مغربی پاکستان میں شامل کئے گئے تھے۔ جہاں مسلم اکثریت

تھی۔ اور کوئی ضلع بھی ایسا نہیں دیا گیا تھا۔ جہاں پر غیر مسلم آبادی کی اکثریت ہو۔ لہذا یہ منطق فریب کاری پر مبنی ہے۔ تحدیث نعمت میں ان جھوٹی عیارانہ تاویلات کے بعد تحصیل کو یونٹ قرار دے جانے کی تائید میں احمقانہ اور عیارانہ قسم کے دلائل پیش کئے ہیں۔ اور کمشنری اور دوآبے کی معقول تجویز کو رد کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے پاکستان کو ایک طاقت ور ملک بننے اور بہت بڑا فائدہ پہنچنے کا احتمال تھا۔ جس سے آخر کار نفع مسلمانوں کو ہی پہنچتا۔ جسکو مرزا کی امت کیسے برداشت کر سکتی تھی۔

پاکستان کے سابق وزیر اعظم ملک فیروز خان نون اپنی آپ بیتی FROM MEMORY کے صـ ۲۱۱ پر لکھتے ہیں۔ کہ مسٹر جناح پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اور آئندہ بہت کچھ لکھا جاتا رہے گا۔ لیکن بدقسمتی سے جو اشخاص مسٹر جناح سے قریب تھے۔ اور تقسیم ہند کی اندرونی پوشیدہ کہانی جانتے تھے۔ انہوں نے کچھ بھی تحریر نہیں کیا۔ یہاں تک کہ میں نے چودھری محمد علی سے بھی کہا۔ لیکن انہوں نے بھی کچھ تحریر نہیں کیا۔

قارئین کو اندازہ ہو گیا ہوگا۔ کہ اگر تقسیم ہند کی حقیقی اندرونی پوشیدہ کہانی لکھ دی جائے۔ تو آج ہماری قوم کے بڑے بڑے بتانِ عجم جن کے ہم پجاری ہیں۔ ٹوٹ ٹوٹ کر اور پاش پاش ہو کر گر جائیں۔ ــ ــ

حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ

کی زندگی کے

دو۲ اہم سبق

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ کی رحلت کے دوسرے دن دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں جلسۂ تعزیت ہوا، اس میں مولانا سید ابوالحسن علی میاں نے تقریر فرمائی ـــــ کسی قدر اختصار اور تلخیص کے ساتھ وہ تقریر ناظرین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

خطبۂ مسنونہ اور کچھ تمہیدی گفتگو کے بعد مولانا نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

میرا مولانا عبدالباری صاحبؒ سے ایک طرح کا خاندانی سا تعلق تھا اور مجھے اُن سے استفادہ کا بھی موقع ملا۔ اس بنا پر میں اُن کے احساسات اور نظریات سے واقف رہا ہوں، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ وہ اس قسم کے تعزیتی جلسوں کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ اور اُن تمام رسمی جلسوں اور تقریبات کو ناپسند کرتے تھے جن کا ثبوت قرنِ اوّل اور صحابۂ کرام کی زندگی میں نہ ملے اور ان کے لئے شرعی دلیل نہ ہو۔ اس وجہ سے مجھے بہت تردد تھا کہ یہ جلسۂ تعزیت کیا جائے یا نہ کیا جائے لیکن اس کے بعض ایسے مفید پہلو سامنے آئے جن کی بنا پر ہم نے جلسہ کا فیصلہ کیا اور میں اس وقت اُن ہی پہلوؤں کیطرف آپ لوگوں کو خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

پہلے میں مولانا کا مختصر تعارف کرادوں ـــــ وہ دریاباد ضلع بارہ بنکی کے ایک بہت شریف انصاری خاندان کے فرد تھے، اُن کے والد صاحب حکیم عبدالخالق حضرت مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے جو حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے بعد بزرگان سلف کی یادگار اور علومِ شریعت کے جامع اور اس کے آخری نمونہ تھے۔ مولانا عبدالباری صاحب نے خود بیان فرمایا کہ جب میں پیدا ہوا تو والد صاحب مجھے لیکر اپنے شیخ حضرت مولانا محمد نعیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت اس کا نام رکھ دیں! مولانا نے فرمایا کہ: "خالق باری" پوری کرو نا! ـ خالق باری ایک کتاب کا مشہور نام تھا جو مکتبوں میں پڑھائی جاتی تھی، مولانا محمد نعیم صاحب کا مطلب یہ تھا کہ تمہارا نام عبدالخالق ہے اس کا نام عبدالباری رکھ دو۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اُس زمانہ کے شرفاء کے دستور کے مطابق گھر پر پائی، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء

میں جس کا قیام چند ہی سال پہلے ہوا تھا داخل ہوئے، ان کا داخلہ درجۂ سوم میں ہوا اور وہ یہاں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس تعلیم کے دوران میں کسی مضمون میں کمزوری کی وجہ سے ایک آدھ سال کے لئے وہ نگرام مولانا محمد ادریس صاحب کے پاس بھیج دئے گئے جو ہمارے شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس صاحب کے دادا تھے۔ مولانا عبدالباری صاحب فرماتے تھے کہ مجھے وہاں علمی فائدہ بھی ہوا اور دینی اور روحانی فائدہ بھی ہوا۔ اس کے بعد پھر دارالعلوم آگئے اور یہیں تکمیل کی، اُس زمانہ میں یہاں علامہ شبلیؒ کا دور تھا، چونکہ شروع ہی سے مولانا کی پیشانی پر ذہانت کے نمایاں آثار تھے اس لئے جن ہونہار طالب علموں پر مولانا شبلی کی نظر پڑی اُن میں مولانا عبدالباری صاحب بھی تھے۔

مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ذہانت کے ساتھ انہوں نے ادبی ذوق بھی پایا تھا اور یہی چیز مولانا شبلی کی بارگاہ میں تقرب کا ذریعہ بنی مولانا کو فلسفہ اور علوم عقلیہ سے خاص طور سے مناسبت تھی، انہوں نے اپنے لئے اسی مضمون کا انتخاب کیا، پھر انہوں نے فلسفۂ جدید کا گہرا مطالعہ کیا، اس کے لئے انہوں نے پوری محنت اور توجہ سے انگریزی سیکھی اور اس میں اچھی مہارت پیدا کی اور جدید فلسفہ کا انگریزی میں مطالعہ کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے فلسفہ کے ایک اچھے عالم کی حیثیت حاصل کر لی۔ جدید فلسفہ کی بعض اہم کتابوں کا انہوں نے ترجمہ بھی کیا۔ اُسی زمانہ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس غالباً احمد آباد میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں انہوں نے اپنا معرکۃ الآرا مقالہ پڑھا۔ جو "مذہب و عقلیات" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اور جو بقول حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ "اسلام کے دفاع کا ایک آہنی قلعہ ہے"۔ اور مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی نے اس رسالہ کو پڑھ کر کہا تھا کہ "اس شخص کے ہاتھ پر فلسفہ مسلمان ہو گیا"۔ الغرض فلسفہ میں ان کی قابلیت کا سکہ قائم ہو گیا۔ اسی قابلیت کی بنا پر وہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں فلسفہ کے استاد کی حیثیت سے بلا لئے گئے۔ پھر وہ اسی یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ کے صدر ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کسی یونیورسٹی میں کسی اعلیٰ ڈگری کے بغیر کوئی اسٹاف میں نہیں آسکتا تھا، لیکن مولانا کے پاس ندوہ کی سند کے سوا کوئی سند نہ تھی، صرف اپنی قابلیت سے وہ ملک کی ایک عظیم یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ کے نہ صرف پروفیسر بلکہ صدر ہو گئے ــــ اس وقت جامعہ عثمانیہ میں ہمارے مدرسوں کے دو عالموں کا سکہ بیٹھا ہوا تھا گویا طوطی بولتا تھا، ایک مولانا مناظر احسن گیلانی اور دوسرے مولانا عبدالباری صاحب ندوی حالانکہ ان دونوں کے پاس کوئی ڈگری نہ تھی مولانا گیلانی دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے ــــ اور مولانا عبدالباری صاحب آپ کے اسی دارالعلوم کے فارغ التحصیل تھے۔

ــــ تو ایک بات تو مولانا کی زندگی سے یہ سیکھنے کی ہے کہ اصل چیز محنت اور قابلیت ہے۔ اگر یہ ہے تو آدمی اونچے سے اونچے مقام تک پہنچ سکتا ہے ــــ میرے عزیزو! یہ بات لکھ لو کہ یہ سب خیالی طلسم ہے کہ جب تک ہمارے پاس ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہ ہو ہم کچھ نہیں کر سکتے اور ہماری کوئی قیمت نہیں، ڈگری والوں

کے پاس اگر قابلیت نہ ہو تو وہ بے ہتھیار کے سپاہی ہیں۔

دوسرا سبق جو مولانا عبدالباری صاحب کی زندگی سے ہم کو ملتا ہے اور ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے وہ یہ ہے کہ اتنا بڑا فلسفی الیسا متکلم، علامہ شبلی کا مایۂ ناز شاگرد ندوہ کا ایک روشن خیال فاضل اپنی روحانی اور قلبی اصلاح کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور پھر اپنے کو مبتدی نہیں بلکہ ایک انجان آدمی تصوّر کرکے اپنی روحانی اصلاح کیلئے مولانا تھانویؒ کے حوالہ کر دیتا ہے۔

یہ توفیق ہمارے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کو دی، ایک علامہ سید سلیمان ندوی اور دوسرے مولانا عبدالباری ندویؒ۔ دونوں علم کے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے تھے۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی طرح مورخین نے لکھا ہے کہ اُن کی مجلسیں دربارِ خلافت سے آنکھیں ملاتی تھیں اور دو دو سو طلبہ، نہیں بلکہ فارغ التحصیل فضلاء اُن کے درس میں بیٹھتے تھے۔ اُس وقت انہوں نے اپنے اندر یہ کمی محسوس کی کہ محسوسات اور بدیہیات پر جس درجہ کا یقین ہے غیبیات پر اُس درجہ کا یقین مجھے حاصل نہیں۔ جب تک غیبیات پر اس درجہ کا یقین مجھے حاصل نہ ہو میرا ایمان مکمل نہیں۔ اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" میں انہوں نے پوری تفصیل سے اپنی سرگزشت لکھی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ ہر طالب علم اُسے پڑھے ـــــ بہرحال امام غزالیؒ کو جب اپنی اس کمی کا احساس ہوا تو ان کے لئے پڑھنا لکھنا بلکہ بولنا بھی مشکل ہو گیا، ہاضمہ تک متاثر ہوا۔ اُن پر سخت بے چینی طاری ہوئی۔ طبیبوں نے دیکھ کر کہا کہ ان پر کوئی ایسی فکر مستولی ہو گئی ہے جس نے پورے جسمانی نظام کو متاثر کر دیا ہے ـــــ انہوں نے صحرا نوردی کی، برسوں تک خاک چھانتے رہے۔ پھر اس کے بعد جامع اموی دمشق میں بیٹھ کر مراقبے کرتے رہے۔ مجاہدے کئے۔ جب حقیقت کا سرا اُن کو مل گیا تو وہاں سے واپس آئے اور پھر ملاحدہ اور باطنیہ کی تردید میں کتابیں لکھیں، پہلے درس دینا اور لکھنا کچھ اور تھا اب کچھ اور ہو گیا۔

ہمارے اس دورِ مادیت اور الحاد میں امام غزالیؒ کی اس علو ہمت اور صدقِ طلب کی دو مثالیں ہمارے آپکے ہی حلقہ میں ہمارے سامنے گذری ہیں۔ ایک مولانا سید سلیمان ندویؒ اور دوسرے مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ مجھے خوب یاد ہے ایک صاحب نے جو ہائی کورٹ کے جج رہ چکے تھے اور سید صاحب سے خاص تعلق رکھتے تھے۔ بیرت اور شاید دکھ سے کہا کہ مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ علامہ شبلی کے شاگرد ہو کر مولانا تھانوی کے مرید ہو گئے۔ مولانا تھانوی کو اُن کا مرید ہونا چاہیئے تھا۔ اور ندوی حلقہ میں بھی اس پر چہ میگوئیاں رہیں، لوگوں نے سید صاحب کو خطوط لکھے، خود سید صاحب نے ہمارے سامنے کہا "عجیب بات ہے کہ لوگ مجھے بڑا بھی مانتے ہیں اور احمق بھی سمجھتے ہیں اور مشورہ بھی دیتے ہیں کہ آپ کو تھانہ بھون نہیں جانا چاہیئے تھا، آپ نے ندوہ کی توہین کی، آپ دیوبند کے ایک عالم کے پاس گئے۔

امام احمد بن حنبلؒ اپنے زمانہ کے ایک بزرگ کے پاس جایا کرتے تھے، اور روحانی استفادہ کے لئے ان کی صحبت میں بیٹھتے تھے۔ کسی نے کہا کہ آپ استفادہ کے لئے ایسے شخص کی صحبت میں بیٹھتے ہیں جو آپ کے درس میں بھی شریک ہونے کے قابل نہیں تو انہوں نے جواب دیا تھا۔

یَا بُنَیَّ اِنَّمَا یَجْلِسُ الْاِنْسَانُ حَیْثُ یَجِدُ صَلَاحَ قَلْبِہٖ۔ میرے عزیز! آدمی وہاں بیٹھتا ہے جہاں اس کو اپنی روح اور دل کا فائدہ نظر آتا ہے۔

میرے عزیزو! کیا ہمیں دل کے علاج کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اپنے دل کو حرارت سے اور نور یقین سے بھرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے اور آپ کے دو بزرگوں کی یہ مثال ہمارے سامنے ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی جو بلاشبہ ہمارے عہد کے عظیم ترین مصنف تھے اور مولانا عبدالباری ندوی جو ایک مسلّمہ متکلم اور فلسفی تھے درعثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے شعبۂ فلسفہ کے صدر رہتے دونوں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پاس طالب بن کر پہنچے کوئی مدرسی اور گروہی عصبیت حائل نہیں ہوئی وہ شہرت بھی حائل نہیں ہو سکی جو بہت بڑا فتنہ ہے۔ اور پھر اس طرح اپنے کو ڈال دیا کہ خود حضرت تھانویؒ نے فرمایا ؎

از سلیمان گیر اخلاص عمل وار تو ندوی را منزہ از دغل

مجھے کم معلوم ہے کہ کسی شیخ نے اپنے ایک مسترشد کی اس طرح مدح کی ہو پھر اُن کو اتنی جلدی خلافت عطا فرمائی کہ اُن کے پرانے اصحاب کو تعجب ہوا۔۔۔۔ جب حضرت تھانویؒ کا وصال ہوا اس وقت حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ یہاں تشریف لائے ہوئے تھے اور سید صاحب بھی یہیں مقیم تھے۔ حضرت تھانویؒ کی وفات کا ان کو اس قدر رنج اور صدمہ تھا کہ بچوں کیطرح روتے تھے۔ گویا سایۂ پدری اُٹھ گیا۔

اسی طرح مولانا عبدالباری صاحبؒ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے اپنے کو اصلاح کے لئے ایک ادنیٰ مرید کیطرح حضرت تھانویؒ کے حوالہ کر دیا تھا ان کا حال بالکل ایسا تھا کہ کالمیت فی ید الغسال۔

بھائیو بس یہ دو سبق ہیں اہم مولانا عبدالباری صاحب کی زندگی سے یہ دو سبق لیں۔ ایک تو محنت سے کمال درجہ قابلیت پیدا کرنا۔۔۔۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ بھائی سب کچھ کر لیجئے اور سب کچھ بن جائیے مگر کسی نے کہا ہے ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نہ شد

یہ حقیقت ہے آج سمجھ لو جب بھی خوش قسمت ہونا دو برس بعد سمجھ لو جب بھی خوش قسمت ہو اور اگر آخری عمر میں سمجھا تب بھی اچھا ہے۔ لیکن کچھ کرنے کا وقت نکل چکا ہوگا۔ نہ محنت کر سکو گے نہ کہیں آجا سکو گے بس حسرت ہی حسرت رہے گی۔

بھائیو! پہلے ہمارے عربی مدارس میں عام رواج تھا مجھے ان مدارس کی خوب تاریخ معلوم ہے۔ مولانا

لطف اللہ علی گڑھیؒ کا حلقۂ درس اس وقت مرکز بنا ہوا تھا۔ ایران اور ترکستان تک کے ذہین اور جید الاستعداد طالب علم وہاں پڑھنے کے لئے آتے تھے۔ جو طالب علم وہاں پڑھتا تھا وہ گنج مراد آباد جاکر حضرت مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ سے روحانی تعلیم حاصل کرتا تھا۔ اسی طرح دیوبند میں جو طالب علم پڑھتے تھے وہ سیدھے گنگوہ چلے جاتے تھے۔ جب حضرت گنگوہیؒ کا دور ختم ہوا تو پھر وہ رائے پور اور تھانہ بھون جاتے تھے ــــ اسی طرح حضرت مولانا عبدالحیؒ کے درس میں جو لوگ شریک ہوتے تھے وہ سیدھے گنج مراد آباد جاتے تھے۔

میں آپ لوگوں کو پیری مریدی کی دعوت نہیں دے رہا ہوں، حالانکہ پیری مریدی عیب نہیں ہے۔ اگر عیب ہوتا تو مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالباری جو اپنے وقت کے روشن خیالوں میں سب سے زیادہ روشن خیال تھے حضرت تھانویؒ سے جاکر بیعت نہ ہوتے۔ میں خود روشن خیال ہوں، روشن خیالوں نے جتنی دنیا دیکھی ہے اس سے بہت زیادہ میں نے دیکھی ہے۔ میں اس کے بعد بھی پیری مریدی کا قائل ہوں، اور عامل بھی ہوں۔ میں شرماتا نہیں ہوں، میں نے اس کو اپنے لئے ضروری سمجھا اور ضروری سمجھتا ہوں، اس کے باوجود میں اس وقت آپ کو پیری مریدی کی دعوت نہیں دے رہا ہوں میں صرف یہ کہتا ہوں کہ اپنے نفس و روح کی بیماری اور اپنے ایمان و یقین کے ناقص ہونے کا احساس کرو۔

ابن ابی ملیکہ مشہور تابعی ہیں صحیح بخاری کی تعلیقات میں اُن کا یہ بیان ہے۔ " ادرکت ثلاثین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما منھم احد الا ھو یخاف النفاق علی نفسہ " یعنی میں نے تیس ۳۰ صحابۂ کرام کو پایا، اور اللہ نے مجھے اُن کی صحبت نصیب فرمائی، میں نے ان میں سے ہر ایک کو اس حال میں دیکھا کہ وہ اپنے میں نفاق کا خطرہ محسوس کرتے تھے اور اس بات سے ڈرتے تھے کہ اللہ کے یہاں وہ منافقین میں نہ ہوں۔ بس میں یہی کہتا ہوں کہ اپنے اندر یہ فکر پیدا کرو اور روح اور دل کے علاج کی فکر کرو، وہی کامیاب ہے جو اپنی روح اور اپنے دل کا علاج کرے۔ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ــــ آخر میں دعائے مغفرت پر تقریر ختم ہوئی۔

معزز قارئین سے کئی ماہ سے پرچہ کی اشاعت میں بوجوہ تاخیر ہو رہی ہے تاہم ہماری سعی ہوتی ہے کہ درمیانی وقفہ ایک ماہ سے زیادہ نہ ہو مہینوں کے لحاظ سے قارئین کو کچھ بے ترتیبی محسوس ہو رہی ہے مگر ہماری گذارش ہے کہ پرچہ کی ترتیب مہینوں سے نہیں رسالہ پر لکھے ہوئے نمبر شمار سے لگایا کریں بعض دفعہ رسالہ پر مہینے کا نام دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ مجھے ہی تاخیر سے بھیجا گیا حالانکہ پرچہ آتے ہی بیک وقت ایک ہی دن میں سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ یہ پرچہ صفحات بڑھا کر شائع کیا جا رہا ہے کہ انتظار کی تلافی ہو سکے۔ بہت سے قارئین نہ خریداری نمبر لکھتے ہیں نہ منی آرڈر کوپن پر وضاحت سے کچھ لکھتے ہیں آئندہ ایسے حضرات سے الحق اپنا تعلق برقرار رکھنے سے معذور ہوگا۔ (ادارہ)

سید محمد فاروق بخاری، ریسرچ ڈپارٹمنٹ
لال منڈی، سرینگر

ڈاکٹر اقبال رح
اور
عقیدۂ رفع و نزول حضرت عیسیٰ ع

مرزا غلام احمد قادیانی کے حواریوں کا سب سے خطرناک حربہ یہ ہے کہ یہ لوگ دیدہ و دانستہ جہاں اپنی من پسند باتیں سلف صالحین کیطرف بڑی ڈھٹائی سے منسوب کرتے ہیں وہاں دور حاضر کے ممتاز ترین علماء اور مفکرین کی طرف بھی بے بنیاد باتیں منسوب کرنے میں بیباک واقع ہوئے ہیں۔ اس بددیانتی اور علم و تحقیق کو شرم لاحق کرنے والے رویہ نے یقیناً انہیں اپنا جال پھیلانے میں مدد دی۔ اس فریب سے یہ درست ہے کہ وسیع النظر عالم دھوکہ میں نہیں آتا، مگر وہ طالب علم جس کا مطالعہ ابھی محدود ہے اپنے بزرگوں سے بدظن ہو جاتا ہے۔

رفع و نزول مسیح جو اسلام میں اصولی مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے، اسے بزعم خود غلط اور بے بنیاد ثابت کرنے کیلئے مرزائیوں کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ مولانا آزاد، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر اقبال کے نزدیک یہ مسئلہ افسانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ بطور ثبوت میں ان لوگوں کے اقوال اور اشعار توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں، بالکل اسی طرح جسطرح کسی منکر صلوٰۃ نے "لا تقربوا الصلوٰۃ" سے استدلال کیا۔

جیسا کہ علماء کرام پر مخفی نہیں ہے کہ ان حضرات کی پوزیشن اس مسئلہ کے بارے میں اس قدر صاف ہے کہ اس پر مزید کچھ لکھنا غیر ضروری ہے۔ مگر اس مسئلے کے بارے میں ڈاکٹر اقبال رح کی رائے پر کچھ لکھنا نامناسب نہ ہوگا۔ دوسرے بزرگوں[1] کی بہ نسبت ڈاکٹر اقبال رح کا اثر عام لوگوں میں زیادہ رچ بس گیا ہے۔ اور نوجوان اس سے دھوکہ میں آسکتے ہیں۔

---

[1] اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ رفع و نزول مسیح کے ثبوت میں قرآن حکیم کی جتنی آیات سے استدلال کیا جاتا ہے، ان کی تفسیر ترجمان القرآن میں ــــ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس طرح نہیں کی ہے کہ دوسروں کو غلط معنی پہنانے کی جرأت نہیں ہوتی لیکن ان کی دوسری تحریروں سے یقین کرنا پڑتا ہے کہ مولانا آزاد اس عقیدے کے بالکل اسی طرح قائل تھے جسطرح ایک راسخ العقیدہ مسلمان، مولانا محمد عثمان فارقلیط نے درست لکھا ہے کہ "اگر کسی قائل کے قول میں الجھن ہو تو اس کے قول کا مطلب اسی سے دریافت کیا جائے"۔ جب اس اصول کی روشنی میں مولانا آزاد کے ان جملہ اقوال پر غور کیا جاتا ہے تو

ڈاکٹر اقبالؒ کی شخصیت کا جہاں تک تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت و فراست میں جو عظیم الشان مقام عطا کیا تھا وہ ناقابلِ انکار ہے، ان کی عبقریت سے کسی کو مجال انکار نہیں مگر اس کا بھی کوئی قائل نہیں ہے کہ ڈاکٹر اقبال کے ہر ہر خیال اور ہر ہر رائے کو درجۂ استناد حاصل ہے۔ اور نہ کہیں خود علامہ اقبال نے لکھا ہے کہ میرا ہر قول قابلِ تقلید ہے۔؟ ظاہر ہے جو لوگ اندھی تقلید میں بری طرح مبتلا ہیں ان کے لئے ہماری یہ بات ناقابلِ برداشت ہو گی اور ایسی رائے رکھنے والے کو گستاخ سمجھیں گے مگر علامہ اقبالؒ کی عظمت و جلالت اور محبت و احترام کے اعتراف کے ساتھ ساتھ جن بزرگوں کی نظر ان کے سارے کلام اور ارشادات پر ہے۔ اور کھرا کھوٹا جانتے پہچانتے ہیں، وہ اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی جھجک محسوس نہیں کریں گے کہ:

"یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انہوں (اقبال) نے مغربی تعلیم اور مغربی فلسفہ کا اثر قبول نہیں کیا اور ان کا دینی فہم کتاب و سنت اور سلفِ امت کے بالکل مطابق ہے" ------ اس کا اندازہ ان خطبات سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے مدراس میں دئے تھے اور جس کا مجموعہ:

"RECONSTRUCTION OF RELIGOUS THOUGHT IN ISLAM"

کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اور جس میں کہیں کہیں حقائق غیبی کی فلسفیانہ تعبیر اور تاویل کا شدید رنگ صاف جھلکتا ہے۔" (اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش مصنفہ مولانا ابو الحسن علی صاحب ص۵۱ مع حاشیہ)

دوسری بات یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کی شدید غلطی ہے۔ جو ڈاکٹر اقبال کے کلام کا مطالعہ عبادات، ______ عقائد اور معاملات، وغیرہ میں سند کی حیثیت سے کرتے ہیں؛ ڈاکٹر اقبال ایک جلیل القدر مفکر تھے، وہ ایک..

رفع و نزول عیسیٰؑ کے بارے میں منقول ہیں تو مولانا آزاد اس مسئلہ کے صاف قائل نظر آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مولانا آزاد کا وہ مکتوب گرامی جو انہوں نے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے جواب میں ارقام فرمایا ہے، بہت واضح ہے۔ مولانا آزاد کا یہ مکتوب جناب نار قلیط صاحب کی کتاب "افکار آزاد" میں موجود ہے۔ اس میں مولانا فرماتے ہیں: "بلاشبہ روایات میں نزول مسیح علیہ السلام کی ... ہے۔ اور صحیحین کی روایات اس ---- باب میں معلوم و مشہور ہیں ان سے کسے انکار ہے۔"

... مولانا امرتسری کے اس سوال پر کہ احادیث کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ مولانا آزاد فرماتے ہیں: یہ سوال ... سے ... میں اپنی تحریرات میں نہ صرف حدیث کو حجت اور واجب العمل ثابت کر چکا ہے۔ بلکہ جس کو اس فہم کی توفیق ملی ہے کہ " ویعلّمھم الکتاب والحکمۃ " میں "حکمت" سے مقصود سنت ہے، اور جس نے جا بجا مقدام کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ " الا انّی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ " نیز روایت مشہورہ "یوشک رجل" الخ " اتنا ہی نہیں بلکہ جس کی تمام جد و جہد یکسر دعوتِ اتباع کتاب و سنّت پر مبنی رہی ہے۔ اور جس کے عقیدہ میں "کتاب" کا ہر وہ "اتباع" اتباع نہیں جو سنّت کے اتباع سے خالی ہو ______

عالم دین ہونے کے بجائے ریفارمر تھے۔ انہوں نے اپنے کلام میں کہیں کلامی مسائل اور اجتہادی بحثیں نہیں چھیڑے ہیں۔ جہاں تک ان کے ذاتی عقائد و عبادات کا تعلق ہے، اس میں وہ اپنے اسلاف کے بالکل مقلد تھے وہ اپنے معاصر علماء کرام سے بھرپور استفادہ کرتے تھے اگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی تو اپنے معاصر علماء دین کی طرف رجوع کرتے تھے، بالخصوص علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ ان کے علمی محسنوں میں تھے۔ اگرچہ انہوں نے عبادات و عقائد پر وقت کی نزاکت کے مدنظر کوئی نمایاں کام نہیں کیا، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ علامہ اقبالؒ ان متفق علیہ عقائد و مسائل کو من گھڑت یا اسرائیلیات سے ماخوذ سمجھتے تھے۔ یہ علامہ اقبال کے وکلاء کی اپنی رائے ہے اور اس کی وجہ ان کی اپنی عقل و منطق کا یورپ سے مرعوب ہونا ہے۔ ایسے لوگوں کو علامہ اقبالؒ کے دامن میں پناہ لینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے، اصحاب علم و فضل جانتے ہیں کہ اقبالؒ عقل سے کبھی مرعوب نہ ہوئے۔ خود اقبالؒ کی درج ذیل سطور اس کی گواہی دیتی ہیں۔ نیز انہی سے عقیدۂ رفع و نزول مسیحؑ کے بارے میں ان کی رائے معلوم ہوتی ہے۔

"ختم نبوت" پر دئے ہوئے بیان میں ایک جگہ نزولِ مسیحؑ سے مرزائیوں کے انکار کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "جہاں تک میں نے اس تحریک کے منشا کو سمجھا ہے احمدیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیحؑ کی موت ایک عام انسانی موت تھی اور رجعت مسیح گویا ایسے شخص کی آمد ہے جو روحانی حیثیت سے اس کا مشابہ ہے، اس خیال سے اس تحریک پر ایک طرح کا عقلی رنگ چڑھ جاتا ہے، لیکن یہ ابتدائی مدارج ہیں۔ اس تصورِ نبوت کے جو ایسی تحریک کی اغراض کو پورا کرتا ہے۔" (مضامین اقبال مرتبہ تصدق حسین سن[؟])

اگر کسی مرزائی یا قادیانی سے کوئی یہ کہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تین اصحاب کیساتھ اُحد پر تشریف فرما تھے اتنے میں احد لرز اٹھا مگر جب آنحضرتؐ نے رکنے کا حکم دیا تو فوراً پرسکون ہو گیا۔ تو معلوم نہیں کتنی رکیک تاویلات سے کام لے کر ظاہری استبعاد دور کریں گے مگر انہیں علامہ اقبالؒ کے بارے میں مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ جب اس حدیث قدسی کا ذکر ہوا تو علامہ اقبالؒ نے شان نبی کی عظمت و جلالت پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے مادی حقیقت قرار دیا۔

ﷺ این دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند ——— مولانا آزاد کا یہ مکتوب قابل مطالعہ ہے، مولانا آزاد کا یہ مکتوب "افکار آزاد" مرتبہ محمد عثمان صاحب فارقلیط اور "تبرکات آزاد" مرتبہ جناب غلام رسول صاحب مہر میں دیکھا جا سکتا۔ (ماہنامہ الحق شمارہ ۶ جلد ۱۰ میں شائع ہو چکا ہے۔

غرض علامہ اقبالؒ سے کوئی ایسا قول یا شعر منقول نہیں ہے جس سے رفع و نزول حضرت عیسیٰؑ جیسے اصولی مسئلہ اور مسلمہ عقیدہ کا غلط ہونا ثابت ہو سکے۔ بلکہ اس کے برعکس ایسے اشارات ملتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ اقبالؒ بھی اس عقیدے کو اسی طرح اسلامی عقیدہ تسلیم کرتے تھے جس طرح ایک راسخ العقیدہ مسلمان۔ علامہ اقبالؒ کے ایک شعر کو مرزائی دنیا بھر میں لئے پھرتے ہیں اور وہ اسے نزول عیسیٰؑ کے خلاف دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ شعر یہ ہے : ؎

میناءِ دل پر اپنے خدا کا نزول دیکھ   اور انتظار مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے

اول تو یہ شعر ڈاکٹر اقبالؒ کے ابتدائی زمانے کے کلام سے تعلق رکھتا ہے اور اقبالیات کے ماہرین بخوبی جانتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ نے بعد میں اپنے ان بہت سے خیالات سے رجوع کیا جنہیں وہ ابتدائی دور میں کافی اہمیت دیتے تھے، چاہے یہ خیالات سیاسی ہوں یا مذہبی، ایک وقت وہ تھا جب نیشنلسٹ تھے مگر بعد میں "سارا جہاں ہمارا" کا نعرہ بلند کیا، ایک دور وہ بھی تھا کہ وہ وحدۃ الوجود کے قائل تھے مگر بعد میں اس کی زبردست تردید کی، وغیرہ۔ انہی خیالات و مسائل میں مندرجہ بالا شعر گننا چاہیے علامہ اقبالؒ نے جب آخر میں اپنے کلام کو از سر نو ترتیب دیا تو اس شعر کو متعلقہ نظم سے خارج کر دیا، اس حقیقت کا اظہار اقبالیات کے ایک ماہر کامل اور ڈاکٹر صاحب کے جذباتی مرید ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے بھی کیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں

"علامہ اقبالؒ نے انتخاب کرتے ہوئے اس شعر کو نکال دیا۔"

آگے نکال دینے کی وجہ یوں لکھتے ہیں :

"علامہ اقبالؒ نے یہ شعر غالباً اس لئے نکال دیا کہ مہدی و عیسیٰ کے متعلق مسلمانوں کے عام عقائد کو اس سے ٹھیس لگتی ہے۔" (فکر اقبال ص۳۰)

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس طرز تحریر کے بالکل خلاف جس کی توقع وسیع النظر فاضل سے کی جاتی ہے۔ خطیبانہ انداز میں لکھا ہے کہ علامہ نے تکفیر کا ہدف بننے کے خوف سے یہ شعر اپنے کلام سے نکال دیا تھا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی اپنی رائے البتہ اتنا تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اقبالؒ کی شان میں ایسی گستاخی ہے جو اقبالؒ کے دشمن سے بھی متصور نہیں ہے بہرحال ڈاکٹر اقبالؒ کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی ایسی بات انکی طرف منسوب کی جاتے جو قرآن اور حدیث کے خلاف ہو اگر ان کا سارا کلام کھنگالا جائے تو ایسے بہت سے اشارات ملیں گے جن سے ہماری رائے کی تائید ہوگی مثلاً وہ اپنی مشہور نظم "سرگذشت ابن آدم" میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہیں ؎

کبھی میں ذوق تکلم سے طور پر پہنچا   چھپایا نور ازل کو زیر آستیں میں نے

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

کبھی میں غارِ حرا میں چھپا رہا برسوں
دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے

اسی نظم میں آگے فرماتے ہیں ۔

کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
فلک کی بھی کی سیر چھوڑ کر زمیں میں نے

مولانا غلام رسول صاحب مہر فرماتے ہیں "اس شعر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیطرف اشارہ ہے۔"
(ملاحظہ ہو مطالب بانگ درا صفحہ ۱۴۲)

(دارالعلوم دیوبند)

مولانا قاری فیوض الرحمان صاحب۔ ایم اے

علمائے سرحد کی تصنیفی و علمی خدمات

۱۸۵۷ء تا حال

قسط ۔ ۲

سوا سو سالہ علمی تاریخ

مولانا قاضی عبدالاحد خانپوری
۱۲۶۸ — ۱۳۴۷ھ
۱۸۵۲ — ۱۹۲۸ء

آپ ۱۴ر جمادی الآخری ۱۲۶۸ھ/ ۴ر اپریل ۱۸۵۲ء کو مولانا قاضی محمد حسن خانپوری ہزاروی کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی و متوسط تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر مولانا سید عبداللہ غزنویؒ سے امرتسر میں استفادہ کیا۔ درس حدیث کی تکمیل علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی سے کی[1] علم طب کی تحصیل حکیم نورالدین بھیروی سے کی جب کہ وہ جموں اور کشمیر میں رہتے تھے۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ خانپور میں تدریس کرتے رہے۔ ازاں بعد راولپنڈی محلہ تالاب پختہ میں اپنا مکان بنایا اور وہیں مطب کے ساتھ تدریس کرتے رہے، مرزائیوں کے ساتھ کئی کامیاب مناظرے کئے، مرزائیوں کے لٹریچر میں مرزا غلام احمد قادیانی کے اشد مخالفین میں ایک نام آپ کا بھی آیا ہے[2] ۱۹۱۸-۱۹ء میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گذری۔

۱۵ر جمادی الآخری ۱۳۴۷ھ/ ۸ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو راولپنڈی میں انتقال ہوا، اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے چھوٹے بھائی قاضی یوسف حسین، تابر نے تاریخ وصال لکھی:

سنو صابر یہ کیا نغمے ہیں غل میں	عنادل چہچہاتی شاخ گل میں
لگی ہے بھیڑ کیا جنت کے پل میں	ہوا شور و فغاں بانگ دہل میں
کہ سال وصل بحر الہند بولو	گیا عبدالاحد باغ و نزل میں

۱۳۴۷ھ

---

[1] فضل حسین مظفرپوری بہاری۔ الحیاۃ بعد المماۃ: مطبوعہ آگرہ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء ص ۲۵۳

[2] مولانا فیض احمد۔ مہر منیر۔ لاہور ۱۹۷۳ء بار اول ص ۲۲۸ و ص ۲۵۶

آپ کے علمی مقام کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے :

"الشیخ العالم الصالح عبد الاحد بن القاضی محمد حسین الخانپوری احد العلماء البارعین فی الفقه والحدیث ، ولد عشاء لیلة الاثنین لاربع عشرة خلون من جمادی الأخرة سنة ثمان وستّین ومائتین والف ، ونشأ فی مهد العلم وقرء علی أبیه ، ثم أخذ الحدیث عن السیّد نذیر حسین الدهلوی المحدّث ، وصحب الشیخ الکبیر عبد اللّٰه الغزنوی واستفاد منه"۔[۵۳]

آپ علمائے اہلِ حدیث میں سے تھے۔

تصنیفی خدمات ۱۔ البیان والاغاثة ــــ صفحات ۳۶۔ یہ کتابچہ حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے اشتہار کے جواب میں لکھا گیا ہے۔

۲۔ اقامة البرهان علی بطلان البنیان ــــ البیان والاغاثة کا جواب حضرت پیر صاحب نے "البنیان" میں دیا ہے۔ یہ کتاب اس جواب کا جواب ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ بڑے سائز کے ۱۹۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، شریف پریس راولپنڈی میں ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء کو شائع ہوا، دوسرا حصہ صفحہ ۱۹۱ تا ۴۰۰ تک ہے، اس کا نام "ازالة اللبس والاشتباه عن حقیقة مذهب پیر مهر علی شاه" ہے۔

۳۔ صمصام الموحدین ــــ یہ بھی حضرت پیر صاحبؒ کے متعلق ہے۔ بڑے سائز کے ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، مطبوعہ شانتی مشین ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء

۴۔ التحقیقات الحقّہ ــــ صفحات ۱۶ مطبع شوکتِ اسلام بنگلور

۵۔ استفتاء مسائلِ عشرہ ، صفحات ۲۰ ، مطبوعہ ۸ رجون ۱۹۱۵ء

۶۔ سوط اللّٰه العزیز الحکیم الباری علی متن الحافظ عبد الکریم الآری۔ مطبوعہ آفتاب برقی پریس امرتسر ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء بڑے سائز کے ۱۶۸ صفحات۔

۷۔ صرصر العاتیة علی عباد الجبت والطاغیة ــ صفحات ۱۶ ، اسی پیر سے متعلق ہے۔

۸۔ السیف المسلول فی نحر شاتم الرسول ــــ ۴۴ صفحات ، بڑا سائز ، غلام احمد قادیانی کے رد میں۔

۹۔ اظہار مخادعة مسیلمه قادیانی ــــ یہ کتاب مرزا غلام احمد قادیانی کے اشتہار موسومہ "الصلح خیر" مطبوعہ ۵ رمارچ ۱۹۰۱ء کے جواب میں لکھی گئی ، بڑے سائز کے ۲۲ صفحات۔

---

۵۳ علامہ حکیم عبد الحی لکھنوی۔ نزهة الخواطر۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء ، ج ۸ ص ۲۱۱

۱۰۔ اغاثۃ الملھوف المسجون فی مصائد القادیانی المجنون ــــ درجواب رسالہ عجب خان مرزائی تحصیلدار ساکن زیدہ، مطبوعہ ماہ رجب ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء، صفحات ۸۰

۱۱۔ انتصار الصدیق من الملحد الزندیق۔ صفحات ۱۶

۱۲۔ سنان الموحدین لدفع مطاعن الملحدین ــــ انجمن خدام اسلام جموں وکشمیر کیطرف سے شائع کی گئی، صفحات ۳۴، مطبوعہ سٹیم پریس لاہور۔

۱۳۔ النقض المتین علی کلام المبین ــــ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے رسالہ "الکلام المبین" کے جواب میں لکھی گئی، صفحات ۸۰، مطبع صدیقی، لاہور۔

۱۴۔ القول الفاصل الفارق بین الکاذب فی دعوی اھل الحدیث والصادق ــــ بڑا سائز، صفحات ۴۸۰، مطبوعہ ساڈھورا ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء

۱۵۔ کتاب التوحید والسنۃ فی ردّ اھل الالحاد والبدعۃ ــــ صفحات ۴۸۰، مطبوعہ سرحد برقی پریس پنڈی۔ ۲۵ / مارچ ۱۹۱۹ء

۱۶۔ الفیصلۃ الحجازیۃ السلطانیۃ، صفحات ۲۹، سلطان ابن سعود سے مکالمہ۔

۱۷۔ الفؤس المصطفویۃ علی رؤس الجمھوریۃ ــــ قلمی۔

مولانا قمر الدین ہزاروی۔ ۱۹۳۱ء آپ قمر الدین بن علاء الدین بن مراد بخش بن گل محمد کے گھر کوٹ نجیب اللہ، ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت کا صحیح علم نہیں ہوسکا۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولانا فیض عالم اور دیگر علماء سے حاصل کی۔ تکمیل مولانا عبید اللہ صاحب سے بمبئی میں کی۔ فراغت کے بعد ۹ محلہ حاجی بمبئی میں امامت و خطابت اور درس و تدریس کرتے رہے۔ آخر عمر میں واپس وطن آئے اور ۲ / جنوری ۱۹۳۱ء کو وصال ہوا۔

تصانیف آپ کی تصانیف میں ۵ رسالے الاجازۃ فی الذکر مع الجنازۃ، اھلاک الوھابیین بتوھین قبور المسلمین، فتوی العلماء بتعظیم آثار العظماء، فتوی الثقاۃ بجواز سجدۃ الشکر بعد الصلوٰۃ۔ اور فوز المومنین بشفاعۃ الشافعین ــــ یادگار ہیں۔

مولانا محمد اسحاق "خطیب ہزارہ"
۱۸۹۰ ــــ ۱۹۷۱ء

آپ "لساں" علاقہ اپر تناول، ہزارہ میں مولوی احمد گل لودھی کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر حضرت مولانا پیر علی شاہ صاحبؒ سے چند کتب کا درس لیا، اعلیٰ تعلیم کیلئے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور تیسرے سال ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء کو

علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ اسلامیہ گلاوٹی ضلع بلند شہر اور زاں بعد مدرسہ نعمانیہ لاہور میں تدریس کرتے رہے۔

۱۹۲۲ء کو جامع صدر ایبٹ آباد کے خطیب مقرر ہوئے اور ۳۱ر اگست ۱۹۷۱ء بروز منگل بوقت عصر وصال ہوا۔ اور "پنج پیر" ایبٹ آباد میں دفن کئے گئے۔

آپ کی تصانیف میں "السیف الفارق"، "مخزن العلوم شرح سلم العلوم"، "شرح میر قطبی"، اور شرح تصریح قلمی ہیں۔ ایک کتاب "پردہ" مطبوعہ ہے۔

مولانا عبدالعزیز عثمانی ہزاروی ۱۸۶۴ء — ۱۹۳۵ء

آپ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء کو عبدالسلام بن الیاس عثمانی کے گھر "گڑھی حبیب اللہ خان" تحصیل مانسہرہ، ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولانا محمود عثمانی سے حاصل کی، ترجمۂ قرآن اور حدیث کی تحصیل مولانا قاضی محمد صاحب اور مولانا قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری ہزاروی سے کی۔ علوِ سند کیلئے مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے ہاں پہنچے اور ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء میں ان سے سند الفراغ حاصل کی۔

پھر وطن آکر خاندانِ خواجگان میں شادی کی، زاں بعد کوہ سپاٹو شملہ چلے گئے۔ وہاں دینی خدمات انجام دیکر ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء کو آپ کا وصال ہوا۔

تصانیف ۱۔ فقہ مخدومی مترجم —— یہ فقہ امام شافعیؒ میں فقیہہ علی مخدوم ابن احمد کوکنی مہاعی (م ۸۳۵ھ) کا ایک مختصر اور جامع رسالہ ہے۔ اسکی تصحیح اور پھر عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے کی سعادت آپ کے حصہ میں آئی۔ بڑے سائز کے ۹۶ صفحات کا یہ رسالہ مطبع گلزار حسنی بمبئی میں ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء کو طبع ہوا۔ اسی کتاب کے ساتھ "تذکرہ مولانا فقیہہ علی مخدوم مہانی، مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی کے قلم سے ہے، اسکی تصحیح میں بھی آپ کا حصہ ہے، اسی بنا پر اس کے سرورق پر آپ کا نام آیا ہے۔ آپ کے اس ترجمہ کی عمدگی کے بارے میں مولانا عبدالحق مفسر حقانی لکھتے ہیں کہ: "میں نے اس ترجمہ کو اکثر مقامات سے دیکھا، جہاں تک میرا علم ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ مترجم علامہ مولانا عبدالعزیز صاحب نے نہایت عمدگی سے مطلب خیز الفاظ میں ترجمہ کیا۔"[1]

۲۔ قواعد فارسی منظوم معروف بہ نیر لامع —— صفحات ۸، نامی نول کشور لکھنؤ میں ۱۸۹۱ء کو پہلی بار آپ کے حاشیہ کے ساتھ شائع ہوا۔ یہ رسالہ آپ کے استاذ اور چچا مولانا محمد محمود عثمانی نے ۱۲۹۰ھ میں لکھا تھا۔

۳۔ استجلاء البصر من شرح نخبۃ الفکر —— بڑے سائز کے ۲۶۳ صفحات ۶ر شعبان ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء

---

[1] تذکرہ مخدوم علی ص ۱۴ مطبوعہ ۱۸۹۷ء

کو یہ شرح مکمل ہوئی اور مطبع مفید عام لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ :

" یہ شرح نخبہ کا نہایت عمدہ اردو ترجمہ ہے۔ جو مولوی عبدالعزیز ہزاروی نے کیا ہے" ۲ے

۴۔ قرۃ العیون ـــ احادیث کا ایک عمدہ مگر نا تمام انتخاب (قلمی) آپکے بارے میں کہا گیا ہے کہ :

" الشیخ العالم المحدث عبد العزیز بن عبد السلام بن الیاس بن عبد اللطیف العثمانی الهزاروی أحد العلماء الصالحین، له استجلاء البصر من نخبة الفکر بالأردو ا ـ" ۳ے

مولانا عبداللہ چھوار ہزاروی ۱۸۶۷ ـــ ۱۹۴۰ء آپ کھہار بالا نزد دھمتوڑ، ایبٹ آباد، ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ درسیات کی تکمیل مولانا سکندر علی ساکن شاہ محمد (ہری پور) سے کی۔ فراغت کے بعد دو تین سال ہری پور ہائی سکول میں عربی کے استاذ رہے۔ پھر مدرسہ رحمانیہ ہری پور ہزارہ میں چھ سال اور "علی خان" میں آخری وقت تک تدریس کرتے رہے۔

آپ کی تصانیف میں ایک " قرع اللبیب علیٰ سمع الخطیب " ہے جو مولانا فضل الرحمن خطیب، مسجد اہل حدیث، ہری پور کی کتاب کے رد میں لکھی گئی۔ یہ مطبوعہ ہے۔

مولانا قاضی عبدالسبحان ہزاروی ۱۸۹۰ ـــ ۱۹۵۸ء آپ مولانا مظہر جمیل علوی کے گھر " کھلابٹ " ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے، درسیات مختلف علماء سے اور تکمیل اپنے چچا مولانا خلیل سے کی۔ فراغت کے بعد کوئی ۴۰ سال کے قریب تدریس کی۔

تصانیف ـــ آپ کی تصانیف میں انوار الانقیاء فی حیاۃ الانبیاء۔ اور مواهب الرحمن فی ردّ جواهر القرآن، موخر الذکر کتاب ۳۲۸ صفحات میں اور دین محمدی پریس لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ درس نظامی کی مروجہ کتب پر آپ کے غیر مطبوعہ حواشی کی تعداد بھی خاصی ہے۔ ان میں " فائض الانوار شرح معانی الآثار، حاشیہ مطوّل، حاشیہ مختصر المعانی، حاشیہ جامی، حاشیہ قاضی مبارک، حاشیہ بخاری شریف، حاشیہ بیضاوی، حاشیہ مشکوٰۃ، حاشیہ میر زاہد، شرح ہدایۃ النحو اور شرح عبدالرسول، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد نذیر صاحب حق سواتی ۱۳۰۰ ـ ۱۳۹۱ھ / ۱۸۸۳ ـ ۱۹۷۱ء آپ مولانا فضل احمد کے گھر " چکیسر " ضلع سوات میں پیدا ہوئے ۱۹۱۰ء میں مولانا قطب الدین غورغشتوی کیمبلپوری سے دورۂ حدیث

۲ے مولانا عبدالرحیم کلاچوی : لباب المعارف العلمیہ ج ۲ ص ۲۱ ۳ے نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۲۸۱

پڑھ کر سند حاصل کی، پھر سرحد کے ممتاز تعلیمی اداروں میں آخری وقت تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے سرحد کے اکثر ممتاز علماء آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ / ۱۱ نومبر ۱۹۷۱ء کو فالج کے حملہ سے وصال ہوا۔

تصانیف۔ ۱۔ کشف الظلم فی حل مشکلات السلّم ــــ مطبوعہ ۱۹۶۰ء بار اوّل، یہ علم منطق کی مشہور کتاب "سلّم العلوم" کی شرح ہے۔

۲۔ شرح قاضی مبارک۔ صفحات ۴۰۰ مطبوعہ ۱۹۷۵ء

۳۔ شرح بیضاوی۔

۴۔ شرح بخاری (قلمی)

مولانا عبدالحق نافع پشاوری
۱۳۱۳ - ۱۳۹۳ھ / ۱۸۹۵ - ۱۹۷۴ء

آپ ۹ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء کو میاں شاہد گل صاحب کے ہاں "زیارت کاکا صاحب" نوشہرہ، پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی، تکمیل دارالعلوم دیوبند میں مولانا شاہ کشمیریؒ سے کی۔

فراغت کے بعد کچھ عرصہ ندا کھلی، بنگال میں تدریس کی۔ زاں بعد ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء کو دارالعلوم دیوبند میں استاذ درجۂ علیا کے منصب پر فائز ہوئے اور ۱۵ سال تک تدریس کرتے رہے۔

تقسیم ملک کی وجہ سے واپس آئے، پھر مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں ۲ سال شیخ الحدیث دارالعلوم چارسدہ پشاور میں دو سال، مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی میں دو سال اسی منصب پر تدریس حدیث جاری رکھی۔

۱۳ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ / ۸ جنوری ۱۹۷۴ء بوقت ۴½ بجے شام سخاکوٹ (مردان) "میانگانو گلے" میں وصال ہوا۔

تصانیف ــــ آپ کی تصانیف میں "نفع المہتدی" اور "ایضاح فتاویٰ" دونوں کتابیں مطبوعہ ہیں۔ جو آپ کے لڑکے سید عبداللہ کاکاخیل استاذ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی کے پاس ہیں۔

مولانا محمد بن عبداللہ المعروف بہ جیون بن نورالدین پکھلوی ہزاروی
۱۲۸۶ - ۱۳۶۶ھ / ۱۸۶۹ - ۱۹۴۷ء

آپ ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء کے قریب پکھلی تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے تکمیل علامہ حسین بن محسن انصاری یمانی سے ہندوستان میں کی۔ فراغت کے بعد حیدرآباد دکن کو مسکن بنایا اور ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء کو وہیں انتقال کیا۔

تصانیف ــــ آپ کی تصانیف میں درج ذیل قابل قدر کتابیں شامل ہیں۔

۱۔ ترجمہ مسند الامام احمدؒ اردو۔

۲۔ مجائب البیان فی لغات القرآن مع تفسیر المنان ونجوم الفرقان ـــــــ۔

۳۔ اللغۃ العربیہ مترجم اُردو۔

۴۔ عثمان البیان فی سیرۃ النبی آخر الزمانؐ۔

۵۔ السیف المسلول فی اثبات خط الرسول۔

۶۔ عون الودود شرح ابی داؤد (عربی) اس کتاب کی شرح لکھنے پر حضور نظام نے آپ کیلئے ۵۰/ روپے ماہانہ کا وظیفہ تاحیات مقرر فرمادیا۔ [۱]

۷۔ مفتاح الحاجۃ شرح ابن ماجہ۔ (عربی) موخرالذکر کتاب ۱۰/جمادی الاولی ۱۳۱۲ھ کو مکمل ہوئی اور ۱۳۱۵ھ کو اصح المطابع لکھنؤ سے محشی کی زندگی میں پہلی بار طبع ہوئی۔ اب اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۹۴ھ میں ادارہ احیاء السنۃ سرگودہا سے شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کا حوالہ ایک اور کتاب میں بھی نظر سے گذرا ہے۔ [۲]

مولانا حافظ عبدالرحیم کلاچوی ۱۸۷۵ء ـ ۱۹۵۰ء آپ ۲۶/شوال ۱۲۹۲ھ/ستمبر ۱۸۷۵ء کو کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں مولوی محمد نعیم کے گھر پیدا ہوئے۔ درسیات کی تکمیل مولانا محمد داؤد سے کی۔ ۱۹۱۱ء "وکیل" امرتسر میں بطور مدیر معاون کام کیا، ۱۹۱۲ء میں روزنامہ "زمیندار" میں بطور مترجم کام کرتے رہے۔ اور ساتھ ہی پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات بھی پاس کرلیئے۔

۱۹۱۳ء میں سرصاحبزادہ عبدالقیوم کی دعوت پر اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانہ کی ترتیب ونگرانی کیلئے پشاور آگئے، اس کے ساتھ تیس سال تک عربی اور پشتو کی تدریس بھی کرتے رہے۔ ۱۹۴۷ء میں کتب خانہ کی نگرانی کیلئے دوبارہ آپ کی خدمات حاصل کرلی گئیں، جون ۱۹۵۰ء تک دوبارہ کام کیا۔ ۶/ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ/ستمبر ۱۹۵۰ء کو ۱۱ بجے صبح واصل بحق ہوئے اور وصیت کے مطابق اسلامیہ کالج پشاور کے قبرستان میں دفن کیئے گئے۔

تصنیفی خدمات ـــــ ۱۔ صحائف اربعہ ـــــ عربی زبان سیکھنے والوں کے لئے چار حصوں میں ایک سیٹ لکھا جو صوبہ سرحد کے سکولوں میں داخل نصاب رہا۔

۲۔ روح الاخوان ۔ عربی زبان کی لغت۔ (قلمی)

۳۔ میزان اللسان، علم نحو کی عام فہم اور آسان (قلمی) کتاب

۴۔ لباب المعارف العلمیہ جلد اوّل ودوم ـــــ اسلامیہ کالج لائبریری کی کتابوں کی فہرست جس میں ڈھائی

---

[۱] امام خان نوشہروی! اہل حدیث کی علمی خدمات : لاہور ۱۳۹۱ھ ص ۲۹ [۲] اختر راہی : تذکرہ مصنفین درس نظامی، لاہور، جون ۱۹۷۸ء ص ۲۹ (مگر شارح کا نام شیخ محمد علی لکھا گیا ہے۔ جو درست نہیں ہے، شارح کا نام : محمد بن عبداللہ ہے)

ہزار تصانیف اور آٹھ سو مصنّفین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

تراجم ـــــ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ـــــ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلی کی شہرۂ آفاق کتاب کا اُردو ترجمہ دو جلدوں میں قومی کتب خانہ لاہور سے شائع ہُوا۔

- مکتوبات امام ربّانی ـــــ حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے مکتوبات کا اُردو ترجمہ۔
- مقالات و حالات سیّد جمال الدین افغانی۔
- جواہر العلوم ـــــ علامہ طنطاوی جوہری مصری کی عربی کتاب کا اُردو ترجمہ، مطبوعہ قومی کتب خانہ لاہور۔
- جامع الآداب ـــــ "آداب الفتی" (عربی) کا اردو ترجمہ، طبع دوم 〃 〃 〃 〃 〃 〃
- نجد و حجاز ـــــ علاّمہ رشید رضا مصری کی کتاب کا اُردو ترجمہ مطبوعہ 〃 〃 〃 〃 〃
- نثر اللآلی ـــــ حضرت علیؓ کے اقوال کا پشتو میں ترجمہ۔
- اسلام اور کمیونزم ـــــ ڈاکٹر احسان اللہ خان کے انگریزی مقالہ کا پشتو میں ترجمہ۔
- سیرۃ النبیؐ ـــــ ایک عربی رسالہ کا پشتو میں ترجمہ۔
- تفسیر الجواہر ـــــ علاّمہ طنطاوی مصری کی تفسیر کا ج ۲ تا ۵ ترجمہ کر چکے تھے کہ اتنے میں وقت پورا ہُوا، اور اللہ کے پاس پہنچ گئے۔

مولانا حافظ علی احمد جان پشاوری
۱۸۸۰ ـــــ ۱۹۵۸ء

آپ ۱۸۸۰ء کو صاحبزادہ عبدالقیوم کے گھر پشاور شہر میں پیدا ہوئے۔ درسیات کی تکمیل حافظ محمد ایوّب محدّث پشاوری سے کی۔ فنِ تقریر میں مولانا سیّد محمود شاہ ڈھینڈوی، ہزاروی کے شاگرد تھے۔ فالج کے حملہ سے ۱۳ رمضان ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء کو آپ کا وصال ہُوا۔ دینی مسائل پر آپ کے چار رسائل ـــــ احکامِ شبِ برات، فضیلتِ رمضان، سراج المشکوٰۃ فی مسائل الزکوٰۃ اور تحفہ عجیب فی بیان معراج الحبیب، مطبوعہ برقی پریس پشاور موجود ہیں۔

شمس العلماء مولانا قاضی میر احمد پشاوری
۱۸۶۱ ـــــ ۱۹۳۵ء

آپ ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۱ء کو اکبر پورہ ضلع پشاور میں صاحبزادہ بن محی الدین کے گھر پیدا ہوئے۔ مختلف مقامات پر تعلیم حاصل کرنے کے بعد لاہور کالج سے سند حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ معلمین امرتسر میں ۴ سال، مدرسہ معلمین راولپنڈی اور پھر لاہور میں ایک عرصہ تک تدریس کی۔ فرنگی حکومت کے دفاع میں آپ کے فتاوٰی بہت مشہور ہوئے اور اسی بناء پر ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں فرنگی حکومت کیطرف سے آپ کو "شمس العلماء" کا خطاب ملا۔

تصانیف : آپ کی تصانیف میں اردو اور پشتو کی نصابی کتب کے علاوہ "اسلام کے بنیادی اصول" اور "تحفۃ الاولیاء" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اوّل الذکر کتاب ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔ ۱۹۳۵ء میں آپ کا

۷۴ سال کی عمر میں وصال ہُوا۔[1]

مولانا قاضی عبدالسلام نسیم ہزاروی
۱۸۹۸ء — ۱۹۴۶ء

آپ ۱۸۹۸ء کے لگ بھگ ریاست امب دربند ہزارہ میں مولانا قاضی محمد علی بن قاضی سید علی کے گھر پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی تکمیل اپنے والد صاحب سے کی، ازاں بعد مدرسہ عالیہ رامپور سے سندِ فراغت اور دہلی سے علوم شرقیہ کی سندات حاصل کیں۔

فراغت کے بعد چند سال ء گورنمنٹ ہائی سکول پشاور میں دینیات کی تدریس کی، پھر حجاز چلے گئے وہاں مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں تدریس کرتے رہے۔ حجاز سے واپسی کے بعد ٹیچرز ٹریننگ سکول ریاست میسور میں ادب عربی کے اُستاد مقرر ہوئے اور ۱۹۴۶ء میں وہیں تدریس کے دوران انتقال ہُوا۔ آپ اردو، فارسی، پشتو اور عربی کے شاعر بھی تھے۔آپ کے کلام کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ روض الازھار — (اپنے والد کی شان میں دو قصیدے بزبان عربی و فارسی)

۲۔ نالۂ دردا — چاروں زبانوں میں یہ چار مرثیوں کا مجموعہ ہے مشہور عالم پریس دہلی سے ۱۹۲۷ء میں شائع ہُوا۔

۳۔ الجذبۃ الشوقیہ — روضۂ اطہر پر، ۱۱ اشعار پر مشتمل یہ نذرانۂ عقیدت پیش کیا گیا، اس کا سرورق مدینہ منورہ میں اور قصیدہ مولانا محمد عرفان ہزاروی کے اہتمام سے مطبع خلافت بمبئی ء ۹ سے شائع ہُوا۔

آپ کے یہ مجموعے کتب خانہ فضلیہ شیر گڑھ، ہزارہ میں ان کے بھتیجوں کے پاس محفوظ ہیں۔

مولانا عبدالغفور ہزاروی ثم المدنیؒ
۱۸۹۴ء — ۱۹۶۹ء

آپ "ہاشم خیل بانڈہ" گدوبار برکلی، علاقہ چغرزئی دربند ہری پور ہزارہ میں مولانا شاہ سید عباسی کے گھر پیدا ہوئے۔ درسیات کی تکمیل حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ سے کر کے سند الفراغ حاصل کی۔ پھر اُسی مدرسہ امینیہ میں پانچ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا فضل علی قریشی مسکین پوری (ضلع مظفر گڑھ) سے روحانی اسباق کی تکمیل کر کے خلافت حاصل کی۔ ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء میں حج کے ارادہ سے حجاز پہنچے، پھر وہیں مدینہ منورّہ میں سکونت اختیار کر لی، آپ کی قیام گاہ ایک خانقاہ کی حیثیت رکھتی تھی جس میں فیض حاصل کرنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ۲ ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ/ ۱۸ مئی ۱۹۶۹ء کو وصال ہُوا۔ اور "جنت البقیع" میں دفن کئے گئے۔[2]

بزمِ جنّت یافت از راہِ بقیع	رہنمائے راہِ دیں عبدالغفور
۱۳۸۹ھ	۱۹۶۹ء

آپ کی تصانیف میں "مجموعہ دعوات فضلیہ"، "اورادِ فضلیہ" اذکارِ نقشبندیہ عربی مطبوعہ مصر اور "مجموعہ اورادِ غفوریہ" ہیں۔ موخرالذکر مجموعہ آپ کے ایک خلیفہ جناب علاء الدین صاحب نے شائع کروایا ہے۔

---

[1] فارغ بخاری: ادبیات سرحد ص ۶۷۶،۶۷۵ پر ۹۰ سال کی عمر میں انتقال والی روایت درست نہیں۔

مولانا نقیب احمد دیروی
۱۸۹۸ — ۱۹۶۹ء

آپ ۱۸۹۸ء کو "اوچ" ضلع دیر میں صاحبزادہ شریف احمد کے گھر پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ سے صدیقی تھے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی، ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اور ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء کو امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری، علامہ محمد رسول خان ہزاروی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا میاں اصغر حسین صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء کو تھانہ بھون حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں پہنچے ان کے ہاتھ پہ بیعت ہوئے اور پھر حضرتؒ کے مدرسہ "امدادالعلوم" میں تین چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۹۳۰ء کو وطن واپس آئے اور پھر اپنے وطن میں آخری وقت تک تدریس کرتے رہے۔ ۱۹۴۶ء میں حج بیت اللہ کی سعادت ملی اور اکتوبر ۱۹۶۹ء کو "اوچ" میں وصال ہوا۔ آپ عربی اور پشتو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ نے جن کتابوں پر پشتو اور فارسی میں حاشیئے بطور شرح لکھے ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں۔ گلستان سعدی، بوستان سعدی، سکندر نامہ، انشائے دلکشا، زلیخا، شمہ جن کتابوں پر آپ نے حواشی لکھے ہیں ان کی کل تعداد ۱۴ ہے۔ جو ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۰ء کے عرصہ میں لکھے گئے اور شائع ہوئے۔

مولانا قاضی محمد اسحاق ہزاروی
۱۸۹۰ — ۱۹۶۲ء

آپ "شیر گڑھ" ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ درسیات کی تکمیل اپنے والد صاحب مولانا قاضی محمد علی سے کی، پھر مولانا حافظ محمد رمضان محدث پشاوری اور مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے یکے بعد دیگرے استفادہ کیا۔ فراغت کے بعد والئی ریاست امب کیطرف سے آپ کو ریاست کا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔

تصانیف: آپ کی تصانیف میں تذکرۃ الحقائق صفحات ۲۷ بڑا سائز ۱۹۴۲ء گیلانی پریس لاہور — ایک عربی رسالہ، ایک استفتاء کے جواب میں ۱۶ صفحات مطبوعہ راولپنڈی ۱۳۴۲ء اور صلوٰۃ جمعہ کے ثبوت میں ایک قلمی رسالہ بھی ہے۔ آپ عربی اور فارسی کے شاعر بھی تھے۔

مولانا عبدالعزیز ہزاروی
۱۹۲۲ — ۱۹۷۳ء

آپ "ملوکڑہ" تحصیل بٹگرام، ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ درسیات کی تکمیل مدرسہ عالیہ رامپور میں کی، پھر الہ آباد یونیورسٹی سے مولوی، مولوی عالم اور مولوی فاضل اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ پھر کچھ عرصہ مدرسہ "مطلع العلوم" کوئٹہ میں تدریس کی، وہیں اسلامیہ ہائی سکول میں مدرس دینیات مقرر ہوئے۔ پھر وہاں "دارالرشاد" کی بنیاد رکھی، ساتھ ہی جامع مسجد متصل جرگن گیٹ میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ صوبہ بلوچستان میں جماعت اسلامی کے امیر تھے۔

تصانیف: آپ کی تصانیف میں "احکام القرآن" (اردو ترجمہ) "سوشلزم" اور "دین ومذہب" سورہ بقرہ (تفسیر) زیر طبع ہیں۔ اور "فی ظلال القرآن" (سید قطب) کے کچھ اجزاء کا نامکمل ترجمہ۔

مولانا غلام ربانی لودھی ہزاروی
۱۸۹۹ — ۱۹۷۴ء

آپ ۱۸۹۹ء کو "سرائے صالح" ہری پور ہزارہ میں مولوی برکت اللہ لودھی کے گھر پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان ۱۹۱۶ء میں ایبٹ آباد سے پاس کیا، پھر اسلامیہ کالج پشاور سے ۱۹۱۸ء میں انٹر کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۰ء میں یونیورسٹی کیطرف سے بی۔اے کے امتحان کا رول نمبر مل گیا تھا کہ عدمِ تعاون کی تحریک میں شامل ہوکر جامعہ ملیہ دہلی چلے گئے، وہاں مولانا محمد علی جوہر، خواجہ عبدالحی اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ تحریکِ آزادی میں نمایاں حصہ لینے پر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، روزنامہ "وکیل" امرتسر، روزنامہ "زمیندار" لاہور، "انقلاب" لاہور، "احسان" لاہور، "مساوات" لاہور میں دو دو سال تک مدیر معاون کے طور پر کام کیا، ہفت روزہ "شہاب" راولپنڈی کے دو سال تک مدیر رہے اسی طرح ماہنامہ "ترجمان" سرائے صالح کے تین سال تک مدیر رہے۔ پشاور کے سہ روزہ "رضنتے خدائی خدمتگار" میں بھی کچھ عرصہ بطور مدیر کام کیا۔

۱۹۴۰ء میں مولانا میر واعظ محمد یوسف کی دعوت پر نصرۃ الاسلام کالج سری نگر میں دو سال تک تدریس کرتے رہے۔ اسی دوران بی۔اے کا وہ امتحان جو ۱۹۲۰ء کو دینا تھا وہ ۱۹۴۱ء میں پاس کیا۔ ۱۹۴۳ء میں اینگلو محمڈن ڈگری کالج امرتسر میں بطور لیکچرار آپ کا تقرر ہوا، تقسیم ملک کے بعد ایم۔اے۔او کالج لاہور میں منتقل ہوئے اور ۱۹۵۴ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ درسِ نظامی کی تکمیل مدرسہ غزنویہ امرتسر میں مولانا نیک محمد صاحب سے کی، جبکہ ابتدائی اور متوسط کتب حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ سے پڑھیں۔

تصنیفی خدمات : ۱۔ مشیرِ قوم — صفحات ۷، مطبوعہ انتظامی پریس کانپور، (اصلاحی کتاب)

۲۔ سیرۃ النبیؐ — (پانچویں سے آٹھویں تک سکول کے طلبہ کیلئے چار رسائل لکھے۔

۳۔ ذخیرۃ المضامین — (سکول کے طلبہ کیلئے)

۴۔ سیرۃ الغازی کمال پاشا — علامہ امین محمد سعید و کریم خلیل ثابت مصری کی عربی کتاب کا اُردو ترجمہ، صفحات ۳۶ مطبوعہ آفتاب پریس امرتسر۔

۵۔ تذکرہ جمال پاشا — کتاب کا اشتہار کمال پاشا کے آخری صفحہ پر آیا ہے۔

۶۔ ترجمہ سورۂ اخلاص — امام ابن تیمیہؒ کی سورۂ اخلاص کا ۱۵۰ صفحات میں اُردو ترجمہ۔

۷۔ الفرقان بین اولیاء اللہ و بین الشیطان۔

۸۔ دخترِ سمرنا — عربی سے اردو ترجمہ۔

۹۔ ہدایۃ الہدایہ۔

۱۰۔ مشکواۃ الانوار

۱۱۔ دیدارِ الٰہی ـــــ امام ابن رجب حنبلیؒ م ۷۹۵ھ کی کتاب کا ۲۴۴ صفحات میں اردو ترجمہ۔
۱۲۔ نہایۃ قول المفید ـــــ اردو ترجمہ (نامکمل) دمائیں ۸۰ صفحات غیر مطبوعہ۔

مولانا مفتی محمود حسن ہزاروی ۱۸۹۲ ـــــ ۱۹۷۳ء

آپ ۵ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۲ء کو "دیدل کماچ" علاقہ چیغرزئی ملحقہ ہزارہ میں مولوی حاجی احمد خان قادری کے گھر پیدا ہوئے۔ مختلف مقامات پر مختلف علماء سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں۔ دورۂ حدیث مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر میں مولانا معین الدینؒ سے پڑھ کر سند الفاضلیہ حاصل کی۔ پھر اسی مدرسہ میں ۱½ سال، دار العلوم خلافت حنفیہ صوفیہ اجمیر میں دو سال اور جامعہ حسینیہ راندیر سورت میں پہلے مدرس اعلیٰ اور پھر شیخ الحدیث کے منصب پر ۲۶ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ مدرسہ کیطرف سے مفتی بھی رہے۔ مدرسہ سے چھٹی لیکر حیدر آباد دکن بسلسلہ اشاعت کتب جانا ہوا تو اسی دوران تقسیم ملک کی وجہ سے وطن واپس آگئے اور پھر مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ میں تدریس کرتے رہے۔ ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء میں جامعہ عربیہ اسلامیہ نزد عیدگاہ کوئٹہ کی بنیاد رکھی اور ایک مسجد بھی اس میں بنوائی۔ آخری وقت تک اس میں تدریس کرتے رہے۔ یکم ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء کو آپ کا وصال ہوا، اور اسی مدرسہ کے احاطہ میں دفن کئے گئے۔

تصانیف: آپ کی تصانیف میں "معین العقائد" صفحات ۹۶ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء "معین الحکمت" صفحات ۱۰۴ مطبوعہ حیدر آباد دکن، "معین الفرائض" مطبوعہ دہلی صفحات ۱۲۶، معین المنطق حصہ اول صفحات ۸۴ اور دوم صفحات ۱۴۸، بار دوم مطبوعہ کراچی اور التذکرۃ المحمودۃ (سوانحی خاکہ مختصر) آپ پیر سید غلام مصطفیٰ قادری کلیدار کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔

مولانا عبدالرحمٰن مردانی ۱۹۱۳ ـــــ ۱۹۷۵ء

آپ "مینی" تحصیل صوابی ضلع مردان میں مولوی سید امیر بن سربلند خان کے گھر پیدا ہوئے۔ دورۂ حدیث کی تکمیل ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے دار العلوم دیوبند میں کی فراغت کے بعد ہندوپاک کے مختلف ممتاز تعلیمی اداروں میں آخری وقت تک تدریس کرتے رہے۔ ۵ مارچ ۱۹۷۵ء کو آپ کا وصال ہوا۔ آخری وقت میں دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔

تصانیف: ۱۔ جواہر الاصول فی اصول الحدیث۔ (عربی) مطبوعہ بار سوم۔
۲۔ رسالہ فیضان الباری شرح حدیث عبد اللہ بن زبیر فی البخاری۔ مطبوعہ۔
۳۔ الکوثر الجاری علی ریاض البخاری۔ حصہ اول مطبوعہ پشاور۔

مولانا قاضی عبدالقادر ہزاروی م ۱۸۹۹ء

آپ مولانا ولی احمد قریشی کے گھر سرائے صالح" ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، دورۂ حدیث مولانا محمد احمد بن عمر صاحب سے

بھوپال میں پڑھا۔ وہیں علم طب کی تحصیل سید نورالحسن بن حکیم سید حسن صاحب سے کی۔ فراغت کے بعد ایک عرصہ تک نواب بھوپال کے ہاں شعبۂ تصنیف و تالیف سے متعلق رہے۔ آپ کی تین تصانیف مطبوعہ ہیں۔

۱۔ السیف المسلول من سبّ التابعی واصحاب الرسول الملقب بہ کشف الحجاب عن مغالطۃ الرفضۃ فی عقد ام کلثوم لعمر بن الخطابؓ۔

۲۔ تبصرۃ المجوّدین فی ردّ مغالطات الوھابیین۔

۳۔ البیّنات فی استنباط احکام اخراج الآیات۔

اولاد:۔ اولاد میں آپ کے ایک فرزند مولانا قاضی عبدالقیوم صاحب "اشرف الآثار" نزد ڈاک خانہ حسن ابدال ہیں۔

مولانا قاضی عبدالرب پشاوری
۱۸۸۶ء ـــ ۱۹۷۲ء

آپ مولانا قاضی دِرّ مکنون کے گھر "زیارت کاکا صاحب" نوشہرہ، پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور متوسط تعلیم مولانا محمد اسرائیل طوروی (مردان) سے حاصل کر کے مدرسہ عبدالرب دہلی سے ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء کو مولانا عبدالعلیؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ پہلے انجمن حمایت اسلام نوشہرہ کے سکول میں تین سال اور پھر مدرسہ نصرۃ الاسلام زیارت کاکا صاحب میں ۱۶ سال تک تدریس کی۔ ازاں بعد جمرود پشاور میں خطیب مقرر ہوئے، جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ / ۲۰ جون ۱۹۷۲ء کو آپ کا وصال ہوا۔

آپ کی تصانیف میں ایک "قصص القرآن" (پشتو) زیرِ طبع ہے، اس کے علاوہ "پیغمبرِ اسلام" نامی کتاب جو سیرت النبی کمیٹی پٹی ضلع لاہور کی طرف سے شائع ہوئی تھی اس کا آپ نے پشتو میں ترجمہ کیا اور شائع کروایا۔ آپ مولانا حافظ عبدالقدوس صدر شعبۂ اسلامیات، پشاور یونیورسٹی (سابقاً) کے والد ماجد تھے۔

■■

قاری محمد عادل خان:

نجم الدین عمر بن محمد نسفی

اسلامی عقائد پر علمائے کرام نے بہت سی نصابی کتابیں لکھی ہیں، جن میں سے دو کو بہت زیادہ شہرت نصیب ہوئی، ایک تو عقائد العضدیہ از قاضی عبدالرحمٰن بن احمد الایجی متوفی ۷۵۶ھ اور دوسری عقائد النسفی ہے۔ زیرِ نظر مضمون اسی دوسری عالمگیر شہرت کا حامل اور درسِ نظامی کی زینت کتاب عقائد النسفی اور اسکے مصنّف کے بارے میں ہے۔

نام و نسب | نسفی کا نام عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل بن محمد بن علی بن لقمان، کنیّت ابوحفص اور لقب نجم الدین ہے۔ نسف میں جو ایک علما خیز شہر ہے۔ ۴۶۱ھ یا ۴۶۲ھ کو پیدا ہوئے۔ سمرقند کے محلہ سکۃ اللبادین میں سکونت اختیار کی اس لئے نسفی سمرقندی کہلاتے ہیں۔

علمی مقام | نجم الدین عمر بن محمد نسفی کا شمار ان علمائے کرام میں ہوتا ہے۔ جن کی علمی منزلت ظاہر کرنے کیلئے عالم یا فاضل کہہ دینا کافی نہیں بلکہ امام، علامّہ، استادِ کل اور ذوالفنون جیسے القاب سے نوازنا چاہیئے۔ ذکاوت اور فطانت، قوتِ حافظہ اور وسعتِ معلومات کے لحاظ سے "احدالائمۃ المشہورین" خیال کئے جاتے تھے۔ حسنِ سیرت اور کثرت عبادت میں یگانۂ روزگار تھے۔ حلِ مسائل اور فتاویٰ میں اس قدر شہرت رکھتے تھے کہ عوام الناس میں "مفتی الثقلین" کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

وعظ و تذکیر اور تصنیف و تالیف کے ذریعے علم کی نشر و اشاعت کی توفیق جتنی انہیں اللہ نے عطا فرمائی تھی، معاصرین میں سے کسی کو نصیب نہ ہو سکی، سینکڑوں، ہزاروں میل سے طلبہ آتے اور ان کے چشمۂ علم سے سیراب ہوتے تھے۔ عمر رضا کحالہ نے اپنی کتاب معجم المؤلفین میں انہیں محدّث، مفسّر، حافظ، متکلم، اصولی، مورّخ، ادیب، ناظم، لغوی، اور نحوی جیسے القاب سے نوازا ہے۔

ان کی تصنیف کردہ کتابیں تقریباً ایک سو پچیس کے قریب شمار کی گئی ہیں۔ اور تقریباً کوئی فن ایسا نہیں جس میں انہوں نے مفید اور جامع کتاب نہ لکھی ہو۔ امتدادِ زمانہ سے جو کتابیں محفوظ رہی رہیں ان سے نسفی کی علمی جلالت ظاہر ہوتی ہے۔

اساتذہ | حدیث و فقہ وغیرہ علوم کی تحصیل ساڑھے پانچ سو شیوخ سے کی تھی۔ ان میں سے شیخ الاسلام عطار بن حمزہ السغدی، صدر الاسلام ابو الیسر محمد بن محمد بن الحسین بزدوی متوفی ۴۹۳ھ، قاضی ابو علی الحسن بن عبد الملک النسفی اور ابو محمد اسماعیل بن محمد النوحی نسفی ہیں۔ نسفی نے اپنی کتاب "تعداد الشیوخ لعمر" میں ان سب علمائے گرامی قدر کا ذکر کیا ہے۔

تلامذہ | نسفی یوں تو مرجع طلبہ تھے، لیکن خاص طور پر ان کی شہرت اطراف و اکناف ماوراء النہر میں بہت زیادہ تھی، مختلف طبقات کے طلبہ نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں خود ان کے مشائخ بھی شامل ہیں۔ اور یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ صاحب کتاب الانساب ابو سعد السمعانی کو بھی ان سے اور ان کے بیٹے مجد نسفی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ نسفی کے شہرۂ آفاق شاگرد صاحب ہدایہ شیخ علی برہان الدین فرغانی مرغینانی ہیں۔ شیخ برہان الدین نے اپنے مشائخ کی فہرست کا آغاز ہی نجم اور ان کے بیٹے مجد سے کیا ہے۔

تحصیل علم کے لئے سفر | نسفی نے ماوراء النہر، عراق اور حجاز کا سفر کیا ہے۔ ان ملکوں کے اہم شہروں میں تحصیل علم کے لئے سکونت اختیار کی ہے۔ ذوقِ شعر کے دلدادہ تھے۔ بخارا کے دوران قیام میں اکثر و بیشتر مشاعروں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ بغداد کے قیام میں اپنی کتاب "تطویل الاسفار لتحصیل الاخبار" کا درس بھی دیتے تھے۔ ایک بار مکہ معظمہ گئے تو اس زمانے میں صاحب کشاف (تفسیر) جار اللہ زمخشری کا قیام بھی وہیں تھا۔ نسفی نے ان سے شرف ملاقات حاصل کرنا چاہا۔ مکان پر جا کر دستک دی، تو اندر سے آواز آئی کون ہے؟ نسفی نے کہا: عمر۔ زمخشری نے کہا انصرف (واپس لوٹ جاؤ) نسفی کی رگِ ادیبانہ پھڑک اٹھی اور جواب میں کہا: "عمر لا ینصرف"۔ (عمر منصرف نہیں ہوتا۔) زمخشری جواب کی برجستگی سے مجیب کی لیاقت کو تاڑ گیا اور بولا: "اذا نکر ینصرف"۔ (جب نکرہ ہو تو منصرف ہوتا ہے۔)

وفات | نجم الدین عمر بن محمد نسفی نے تحصیل علم کے بعد تقریباً ۶۰ سال علم دین کی گراں قدر خدمت کی اور شب پنجشنبہ ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۵۳۷ھ کو سمرقند میں انتقال کیا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ نقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

اولاد | نجم الدین عمر بن محمد نسفی کی اولاد میں صرف ایک بیٹے کا ذکر ملتا ہے، یہ بھی باپ کی طرح بڑے صاحب علم و فضل گذرے ہیں۔ ان کا نام احمد کنیت ابو اللیث اور لقب مجد الدین ہے۔ عام طور پر مجد نسفی کہلاتے ہیں۔

تصانیف | نجم الدین عمر بن محمد نسفی کی سو سوا سو کتابوں میں سے مؤرخین نے صرف درج ذیل کتابوں کا ذکر کیا۔

۱۔ التیسیر فی التفسیر — یہ عربی زبان میں کلام اللہ کی تفسیر ہے، ۵۲۳ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی اور ۵۲۴ھ کو املاء کرائی گئی۔ علامہ کفوی نے اسے نسفی کی تصانیف میں سب سے اہم اور نکات بدیعیہ پر مشتمل بتایا ہے، پوری کتاب چار جلدوں میں ہے، ان میں سے جلد اول جو البقرہ سے آل عمران تک کی تفسیر پر محتوی ہے۔ پنجاب پبلک لائبریری لاہور کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے، تفسیر کے شروع میں قرآن کریم کے ایک سو نام دئے گئے ہیں۔ جو علماء کیلئے

معلومات کا بہت عمدہ ذخیرہ ہیں۔ اس تفسیر کی چوتھی جلد کتب خانہ ریاست رام پور میں بھی موجود ہے۔

۲۔ الاکمل الاطول فی التفسیر ـــــ یہ بھی قرآنِ کریم کی تفسیر ہے۔ خیر الدین زرکلی نے الاعلام میں اور فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر میں اس کتاب کا ذکر موجود ہے۔

۳۔ رسالۃ فی الخطاء فی قرأۃ القرآن ـــــ علمِ قرأت پر ۵ ورق کا رسالہ بروکلمن نے اس کے متعدد نسخوں کا ذکر کیا ہے۔

۴۔ کتاب الیواقیت ـــــ فضائل اوقات پر منتخب احادیث کا مجموعہ ہے۔

۵۔ تطویل الاسفار لتحصیل الاخبار ـــــ منتخب احادیث کا مجموعہ۔

۶۔ المنظومۃ فی الفقہ ـــــ یہ کتاب امام محمد بن حسن شیبانی کی جامع صغیر کی منظومہ ہے۔

۷۔ المنظومۃ النسفیہ فی الخلاف یا فی الخلافیات ـــــ اس کتاب کو دونوں طرح سے لکھا گیا ہے۔ یہ نسفی کی مشہور زمانہ کتاب ہے۔ ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے، باسم الالٰہ رب کل عبد ۔ والحمد للہ ولی الحمد ۔
اس کتاب کو انہوں نے دس ابواب پر مرتب کیا ہے۔ باب اوّل امام اعظم کے اقوال پر محتوی ہے۔ باب ۲ دوم فی قولِ ابی یوسف باب ۳ سوم فی قولِ محمد باب ۴ چہارم فی اقوالِ امام اور ابی یوسف۔ باب ۵ پنجم فی اقوالِ امام اعظم و امام محمد باب ۶ ششم فی اقوال ابی یوسف و محمد باب ۷ ہفتم میں ان آئمہ کے اقوال کو الگ الگ کر کے بیان کیا ہے۔ باب ۸ ہشتم فی اقوال امام زفر۔ باب ۹ نہم فی قولِ امام شافعی۔ اور باب ۱۰ دہم امام مالک کے اقوال پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی تکمیل انہوں نے ہفتہ کے دن ماہِ صفر ۵۰۴ھ میں کی۔ کتاب کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر علماء کے ایک بڑے گروہ نے اس کتاب کی شرحیں تالیف کیں ہیں جو خود اپنی جگہ افادیت کی حامل ہیں۔ ان میں سے چند کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔

المستصفی ـــــ حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ ابن احمد نسفی م ۷۱۰ھ

المصفی ـــــ المستصفی کی تلخیص ہے۔ " " " "

شرح ابی اسحاق ابراہیم بن احمد موصلی م ۶۵۲ھ

شرح رضی الدین ابراہیم بن سلیمان الحموی منطقی۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ رضی الدین ابراہیم بن سلیمان دمشق کے مدرسہ نوریہ میں مدرس تھے۔ متوفی ۷۳۲ھ

حقائق المنظوم ـــــ ابی حامد محمود بن محمد بن داؤد اللؤلؤی بخاری م ۶۷۱ھ

حصر المسائل و قصر الدلائل ـــــ ابی فتح علاء الدین محمد بن عبدالحمید الاسمندی سمرقندی المعروف بہ م ۵۵۲ھ

ملتقی البحار من منتقی الاخبار ـــــ ابوالمفاخر محمد بن محمود السدیدی۔

النور المستنیر ــــــ شیخ امام ابوبکر محمد الحدادی الحنفی۔

۸۔ کتاب الدائر فی الفقہ ــــ اس کتاب کا ایک نسخہ کلکتہ میں موجود ہے۔

۹۔ کتاب المسارح فی الفقہ ــــ اس کتاب کا ذکر مشکلات القدوری کے باب الھبہ میں موجود ہے۔

۱۰۔ کتاب طلبۃ الطلبہ ــــ یہ کتاب فقہ حنفی کی کتابوں کے اصطلاحی الفاظ کی تشریح ہے۔ آستانہ میں چھپ چکی ہے۔

۱۱۔ قید الاوابد لمانیہ تالیف الشوارد ــــ فقہ کی منظوم کتاب ہے۔

۱۲۔ الخصائل فی المسائل ــــ یہ کتاب چھ جلدوں میں ہے۔ صاحب کشف نے اس کا ذکر الخصائل فی الفروع کے نام سے کیا ہے۔

۱۳۔ المنبہات ــــ اس کتاب کا موضوع وعظ و تذکیر ہے۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں اس کے دو نسخے محفوظ ہیں۔

۱۴۔ رسالہ فی بیان مذاھب المتصوفہ ــــ اہل تصوف کے مختلف سلسلوں کی تاریخ ہے۔

۱۵۔ تعداد الشیوخ لعمر ــــ اس میں نسفی نے اپنے شیوخ کا ذکر کیا ہے۔ جن کی تعداد بقول زرکلی، صاحب ہدایہ اور صاحب کشف پانچ سو پچاس تھی۔

۱۶۔ القند فی علماء سمرقند ــــ یہ کتاب ادریسی کی کتاب تاریخ سمرقند کا ذیل ہے۔ اسٹوری، بروکلمن اور حاجی خلیفہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۷۔ تاریخ بخارا ــــ زرکلی، ملا علی قاری اور حاجی خلیفہ نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۱۸۔ الاشعار بالمختار من الاشعار ــــ بیس جز میں ضخیم کتاب ہے۔ عربی کے منتخب اشعار کا مجموعہ ہے۔

۱۹۔ مجالۃ التعشی لضنیفہ المعزبی ــــ اس کتاب کا ذکر صرف ہموی نے کیا ہے۔

۲۰۔ مطلع النجوم ومجمع العلوم ــــ یہ کتاب علوم متداولہ کی انسائیکلوپیڈیا ہے۔

۲۱۔ النجاح فی شرح کتاب اخبار الصحاح ــــ بخاری شریف کی شرح ہے۔ اس کتاب کا ذکر زرکلی نے کیا ہے۔

۲۲۔ آداب الطریقہ ــــ تصوف پر (نامہ آستان قدس خصوصی شمارہ ص ۶۷) ایک عمدہ کتاب ہے۔

۲۳۔ عقائد النسفی ــــ اس کتاب کے متعلق جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ نجم الدین عمر بن محمد نسفی کی کتاب ہے۔ بروکلمن، الیاس سیرکیس، حاجی خلیفہ، زرکلی، عمر رضا کحالہ وغیرہم نے بلا اظہار اختلاف انہیں سے منسوب کی ہے، صاحب حدائق الحنفیہ مولوی فقیر محمد جہلمی نے صاحب کشف کو الزام دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صاحب کشف کے قلم کا زلہ ہے۔ لیکن صاحب حدائق کا یہ کہنا بلا ثبوت ہے۔

عقائد النسفی کا ایک قدیم نسخہ جو راقم الحروف کو دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری سے ۲۹۷،۴۴ ن ۴۷ ع کے تحت دستیاب ہوا، یہ ولیم کورٹن (WILLIAM COURTON) کا ایڈٹ کیا ہوا ہے۔ یہ ایک ہی جلد میں دو کتابوں کا مجموعہ ہے۔ ایک کتاب عقائد پر ابوالبرکات عبداللہ ابن احمد نسفی کی ہے۔ اور دوسری کتاب عقائد النسفی عمر بن محمد نسفی کی ہے۔ یہ کتاب ۱۸۴۳ء میں اورنٹیل ٹیکسٹ بکس کے زیرِ نگرانی چھپی تھی۔ اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں "قال الشیخ الامام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد بن احمد نسفی" ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ نجم الدین عمر بن محمد نسفی ہی کی تالیف ہے۔ کتاب ۶۰ سطروں پر مشتمل ہے۔ عقائد کو سادہ اور آسان پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔

عقائد کے متعلقات پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔ اہل سنّت والجماعت کے تقریباً تمام عقائد کو نہایت اختصار سے بیان کر دیا گیا ہے۔ کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس دور میں عقائد کے حدود کیا تھے۔ آجکل عقائد سے متعلق بہت سے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ جو اہل سنّت میں وجہ نزاع ہیں۔ اور کئی نئی باتیں بھی آجکل عقائد میں داخل ہو گئی ہیں جن کا عقائد سے دور کا تعلق بھی نہیں۔

کتاب عقائد النسفی کے مباحث جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ عقائد النسفی صرف اٹھانوے سطروں پر مشتمل علمِ عقائد میں ایک مختصر ترین رسالہ ہے۔ انداز ایسا ہے۔ جیسے عمر بن محمد نسفی سے کسی نے ان کے عقائد کے متعلق استفسار کیا ہو اور انہوں نے جواب میں یہ رسالہ تحریر کر کے پیش کر دیا ہو۔

عقائد النسفی کے مباحث بحث اوّل۔ ردِ سوفسطائیہ اور حقائق اشیاء۔ بحث دوم۔ حدوثِ عالم اور صانع عالم کی معرفت کا بیان۔ بحث سوم۔ کلام باری تعالیٰ غیر مخلوق ہے۔ بحث چہارم۔ حشر و نشر اور اس کے متعلقات کے بیان میں اس بحث میں معتزلہ کا رد بھی کیا گیا ہے۔ بحث پنجم۔ ایمان اور اس کے متعلقات جس میں امام ابو حنیفہ کا مسلک بیان کیا گیا ہے۔ بحث ششم، رسالت اور اس کے متعلقات۔ بحث ہفتم، ملائکہ پر ایمان۔ بحث ہشتم، معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نیز کرامات اولیاء کی تصدیق کے بیان میں۔ بحث نہم۔ خلفائے راشدین کی فضیلت اور منقبت۔ بحث عاشرہ میں امام (امیر) اور اس کے فرائض و حدود بیان کئے گئے ہیں۔

یہ بحث قابلِ غور ہے۔ اس بحث میں مسلمانوں کے امام (امیر) کے فرائض بیان کئے گئے ہیں جس سے اسلامی ریاست کے مقتدرِ اعلیٰ کے فرائض متعین ہوتے ہیں۔

لکھتے ہیں کہ امیر کے فرائض میں احکامِ شریعت کا نفاذ۔ حدود کا قیام، سرحدوں کی حفاظت، لشکر کی تیاری، زکوٰۃ کی وصولی، باشندگانِ ریاست کے جان و مال کا تحفظ۔ قیام صلوٰۃ عید و جمعہ کا اہتمام لوگوں کے درمیان تنازعات کا انصاف و حق سے طے کرنا۔ بے سہاروں کی شادی بیاہ کا بوجھ بھی حکومت کے ذمہ ہے۔ ایک اعلیٰ اسلامی ریاست کا ڈھانچہ ان فرائض کی ادائیگی سے قائم رہ سکتا ہے ـــــــ آخر میں عشرہ مبشرہ کی تصدیق ہے۔ اور ان باتوں کا بیان

ہے جن باتوں سے آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

عقائد النسفی کی درس نظامیہ میں شمولیت کے اسباب ۱۔ درس نظامی میں عموماً وہ کتابیں شامل ہوتی رہیں جو اپنے فن میں جامع اور مختصر ترین ہو، تاکہ طلبہ کی علمی و فکری استعداد میں اضافہ ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ اور بہتر کیطرف رجوع کر سکیں۔

۲۔ اس میں بیان کردہ عقائد اہل سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق تھے۔ درس نظامی میں بیشتر کتب حنفی علماء کی تالیف کردہ ہیں۔

۳۔ کتاب میں الجھاؤ نہیں بلکہ الفاظ سیدھے سادے زبان نہایت سادہ اور انداز بیان شگفتہ ہے۔ لطیف پیرائے میں اسلام کے وہ عقائد بیان کئے گئے ہیں جن کی تعلیم ایک عام مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

۴۔ علمائے کرام نے اس کو پسند کی نظر سے دیکھا۔

مندرجہ بالا تمام باتیں عقائد النسفی پر صادق آتی تھیں اس لئے اس کتاب کو یہ شرف حاصل ہوگیا۔

شروح وحواشی علی عقائد النسفی بہ اضافہ جدیدہ کتاب کی مقبولیت کے سبب علماء کی ایک کثیر جماعت نے اس کتاب کی شرحیں لکھی ہیں۔ اور بہت سے حواشی تحریر کئے ہیں ان میں سے راقم الحروف کو جو ملے وہ درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ غرر الفوائد ودرر الفرائد۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی م ۷۹۱ھ

۲۔ شرح مولی رمضان بن محمد۔

۳۔ حاشیہ مولی احمد بن موسیٰ المعروف بہ خیالی م بعد ۸۶۲ھ

خیالی کے حاشیہ پر صاحب کشف نے لکھا ہے: "وھی مقبولہ سلک فیھا مسلک الایجاز یمتحن بھا الاذکیاء من الطلاب۔"

۴۔ حاشیہ مولی مصلح الدین مصطفی قسطلانی المعروف بہ کستلی م ۹۰۱ھ

۵۔ حاشیہ مولی علاؤ الدین بن علی بن مجد الدین بن محمد بن مسعود بن محمود بن محمد بن امام فخر الدین رازی المعروف بہ مصنفک م ۸۷۱ھ

۶۔ حاشیہ مولی محمد بن ماناس۔ اس حاشیہ کا ذکر صاحب حدائق الحنفیہ نے کیا ہے۔

۷۔ حاشیہ مولی صلاح الدین استاد سلطان بایزید بن محمد خاں۔ یہ حاشیہ علماء میں کافی مقبول ہوا۔

۸۔ حاشیہ مولی عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائنی م ۹۴۵ھ صاحب کشف نے اس حاشیہ کے بارے لکھا ہے: "وھی حاشیۃ لطیفۃ العبارۃ دقیقۃ الاشارۃ" حجم میں یہ حاشیہ خیالی سے قدرے ضخیم ہے۔

۹۔ حاشیہ مولی الیاس بن ابراہیم السینابی۔

۱۰۔ حاشیہ مولیٰ محمد بن عوض۔

۱۱۔ حاشیہ مولیٰ احمد ابن عبداللہ قرمی م ۹۷۳ھ یا ۸۶۲ھ

۱۲۔ حاشیہ مولیٰ شمس الدین قرہ حبہ احمد م ۸۵۴ھ

۱۳۔ شرح مولیٰ محی الدین محمد المعروف بہ بیز الوجہ یہ سلطان بایزید کے استاد تھے۔

۱۴۔ حاشیہ مولیٰ سنان الدین یوسف الحمیدی م ۹۱۲ھ

۱۵۔ حاشیہ مولیٰ علاء الدین العربی م ۹۰۱ھ

۱۶۔ حاشیہ لطف اللہ بن الیاس رومی م بعد ۹۲۰ھ

۱۷۔ حاشیہ مولیٰ لطفی زادہ صاحب کشف کا کہنا ہے کہ یہ حاشیہ درجہ سے گرا ہوا ہے۔

۱۸۔ حاشیہ مولیٰ خضر شاہ رومی منشاوی م ۸۵۳ھ

۱۹۔ حاشیہ مولیٰ محی الدین محمد بن ابراہیم نکساری م ۹۰۱ھ

۲۰۔ تحفۃ الفوائد لشرح العقائد۔ قاضی شہاب الدین احمد بن یوسف حفنکیفی سندی م ۸۹۵ھ

۲۱۔ حاشیہ مولیٰ حکیم شاہ محمد بن مبارک قزوینی م ۹۲۰ھ کے قریب۔

۲۲۔ حاشیہ شیخ رمضان بن عبدالمحسن المعروف بہ بہشتی م ۹۷۹ھ

۲۳۔ حاشیہ شیخ محمد بن قاسم الغزی شافعی معروف بہ ابن غرابیلی م ۹۱۸ھ

۲۴۔ حاشیہ مولیٰ قول احمد اس حاشیے کے بارے میں صاحب کشف رقم طراز ہیں۔ "وھی حاشیۃ دقیقۃ متداولۃ بین الاعجام وھی اصعب وادق من بحر الافکار" یعنی یہ حاشیہ بحر افکار سے زیادہ دقیق، متداول اور مقبول انام ہے۔

۲۵۔ بحر الافکار مع حاشیہ خیالی حسن بن حسین بن محمد مدرس مدرسہ مصریہ کتاب ایاس پاشا کیلئے تالیف کی گئی تھی۔

۲۶۔ حاشیہ قرہ کمال اسماعیل بن بالی۔

۲۷۔ حاشیہ مولیٰ العالم محمد المرعشی المعروف بہ بساچقلی زادہ م ۱۱۵۰ھ
اس حاشیے کے علاوہ ان کے دو اور حواشی بھی ہیں۔

۲۸۔ حاشیہ شیخ عز الدین محمد بن ابی بکر ابن جماعہ ۸۱۹ھ

۲۹۔ مطلع بدور الفوائد و منبع جواہر الفرائد۔ منصور طبلاوی شافعی۔

۳۰۔ حاشیہ حسن چلپی بن شمس الدین محمد شاہ ابن الفناری م ۸۸۶

۳۱۔ حاشیہ جو سلطان محمد خاں کے ایماء پر تالیف کیا گیا تھا۔ صاحب کشف نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۳۲۔ حاشیہ مولیٰ احمد بردعی۔ صاحب کشف کا کہنا ہے کہ یہ ایک بہترین شرح ہے۔ اور مثل حاشیہ رمضان کے علماء اور طلبہ میں مقبول ہے۔ اس کی تکمیل ۸۵۰ھ میں ہوئی۔

۳۳۔ تعلیق الفرائد علی شرح العقائد۔ شیخ ابراہیم لقانی مصری م ۱۰۴۰ھ

۳۴۔ حاشیہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اس حاشیئے کے بارے میں صاحب کشف لکھتے ہیں: "وھی احسن الحواشی مقبولۃ عند العلماء"۔ کسی نے فارسی میں بھی اس کی تعریف کی ہے۔

خیالات خیالی بس عظیم است ۔۔۔ برائے حل او عبدالحکیم است

۳۵۔ حاشیہ مولیٰ محمد بن حمزہ مشہور بہ تفسیری آفندی م ۱۱۱۱ھ

۳۶۔ حاشیہ مولیٰ فاضل سید محمد بن حمید الکفوی۔ اس حاشیئے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں شرح عقائد پر مکمل تبصرہ ہے۔ راقم الحروف کو مل نہ سکا۔

۳۷۔ حاشیہ عبداللہ بن محمد بن یوسف مقری شہر بہ یوسف آفندی م ۱۱۶۸ھ

۳۸۔ الفرائد فی حل شرح العقائد۔ علامہ محمد ابن ابی شریف قدسی م ۹۰۵ھ۔ یہ عمدہ شرح میں سے ہے۔

۳۹۔ حاشیہ شہاب الدین احمد بن محمد م ۸۵۴ھ

۴۰۔ حاشیہ محمد بن احمد بن علی

۴۱۔ نکات علی شرح العقائد۔ امام برہان الدین ابراہیم بن عمر البقاعی م ۸۸۵ھ

۴۲۔ شرح شمس الدین ابی الثناء محمود بن احمد اصفہانی م ۷۴۹ھ

۴۳۔ القلائد علی شرح العقائد۔ جمال الدین محمود بن احمد بن مسعود قونوی حنفی الشہیر بہ ابن سراج م ۷۷۰ھ

۴۴۔ القول الوفی لشرح عقائد النسفی۔ شیخ امام شمس الدین محمد ابن شیخ زین الدین ابی العدل قاسم الشافعی، اس شرح کی تکمیل ۸۷۱ھ میں ہوئی۔

۴۵۔ شرح ابن حزم اندلسی۔

۴۶۔ ایک اور حاشیہ ابن حزم اندلسی کی شرح پر بھی ہے۔ اس کے مؤلف بدرالدین محمد ابن احمد خطیب ہیں۔ ۹۳۴ھ

۴۷۔ حل العقائد فی شرح العقائد احمد بن عثمان الھروی الخیر زیانی۔ م ۹۰۰ھ

۴۸۔ نظم للعقائد النسفیہ۔ ابی بکر بن احمد الجوروی رومی مدرس حنفی م ۱۲۰۳ھ

۴۹۔ فرائد القلائد و غرر الفوائد علی شرح العقائد۔ شیخ علی بن علی بن احمد البخاری مؤلف کا کہنا ہے کہ اس کے علاوہ ایک اور شرح بھی میں نے کی ہے۔

۵۰۔ عقائد النسفی منظوم قاضی عمر بن مصطفےٰ طرابلسی۔ اس کی تکمیل ۱۱۲۶ھ میں ہوئی۔

۵۱۔ شرح قاضی عمر بن مصطفیٰ طرابلسی۔ یہ نظم کے علاوہ ہے۔

۵۲۔ تخریج احادیث عقائد النسفی شیخ جلال الدین سیوطی م ۹۱۱ھ

۵۳۔ تخریج احادیث عقائد النسفی مولیٰ علی بن محمد القاری کی۔ م ۱۰۱۴ھ

۵۴۔ حاشیہ شیخ محمد طاہر سنبل المکی صاحب ضیاء الابصار۔

۵۵۔ میزان العقائد۔ شاہ عبد العزیز ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی م ۱۲۶۲ھ شاہ عبد العزیز کے چند دیگر تعلیقات کا ذکر حافظ رحیم بخش نے "حیات ولی" ص۶۳۱ میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "شرح عقائد کے اگرچہ بہت سے حواشی اور تراجم میرے نظر سے گذرے ہیں۔ لیکن شاہ صاحب کے حواشی اپنی طرز میں نرالے ہیں۔ شاہ صاحب نے ان میں وہ طرز بیان اختیار کیا ہے جس سے شرح عقائد کے مشکل اور لاینحل مسائل بالکل پانی کیطرح ہوگئے ہیں۔ یہ حواشی میں نے اپنے ایک دوست کے کہنہ مسودات میں دیکھے ہیں" شاہ صاحب کا ایک حاشیہ اردو میں میزان العقائد کے نام سے چھپ چکا ہے۔ جو شرح عقائد تفتازانی کے حاشیے پر ہے۔

۵۶۔ شرح عقائد کی فارسی شرح۔ عبد اللہ حالی ابن مولوی حاجی نور محمد بن لعل دین بن ملا محمد یوسف ساکن پکا لاراں ریاست بہاولپور تاریخ تالیف ۱۳۱۸ھ۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ راقم الحروف نے دیکھا ہے۔ خاصی ضخیم اور عمدہ شرح ہے۔

۵۷۔ حاشیہ علاء الدین بن شیخ منصور لاہوری۔ ڈاکٹر زبیر احمد نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۵۸۔ حاشیہ علی شرح العقائد قاضی نظام بدخشانی م ۹۹۲ھ

۵۹۔ حاشیہ وجیہ الدین گجراتی م ۹۹۸ھ (ڈاکٹر زبیر احمد)

۶۰۔ حاشیہ ملا حسن م ۱۰۸۱ھ مخطوطہ۔ حوالہ ڈاکٹر زبیر احمد۔

۶۱۔ حاشیہ ملا قطب الدین شہید بن عبد الحلیم بن عبد الکریم سہالوی م ۱۱۰۳ھ (ایضاً)

۶۲۔ الحاشیہ علی العقائد النسفیہ نور محمد کشمیری م ۱۱۹۵ھ۔ ڈاکٹر زبیر احمد۔

۶۳۔ النبراس شرح عقائد النسفیہ عبد العزیز بن احمد ملتانی۔ یہ شاہ عبد العزیز کے ہم عصر تھے۔

۶۴۔ [illegible] الفرائد (اردو) مولانا محمد حیات سنبھلی ناظم مدرسہ اسلامیہ عربیہ حیاۃ العلوم مراد آباد تاریخ طبع ۱۳۷۶ھ

۶۵۔ خلاصۃ الایوبی علی الخیالی۔ ناشر حاجی عبد الحکیم قصہ خوانی بازار پشاور۔

۶۶۔ حاشیہ مولانا قدر الدین خدرخیلی۔

۶۷۔ شرح عقائد النسفی کا انگریزی ترجمہ از ای۔ای۔ ایلڈر مع تعارف کولمبیا یونیورسٹی پریس نیویارک۔ ۱۹۵۰ء

اس مضمون میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے :

۱۔ کشف الظنون ۲۔ الاعلام ۳۔ معجم المؤلفین ۴۔ الجواہر المفیدج اوّل، دوم
۵۔ حدائق الحنفیہ ۶۔ حیات ولی ۷۔ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ۔ ۸۔ سیر الاصناف
۹۔ اخبار النحات ۱۰۔ مخطوطات عربیہ پنجاب پبلک لائبریری ۱۹۶۷ء
۱۱۔ فہرست کتب کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن (بھارت) ۱۲۔ مقالات عرشی ۔
۱۳۔ ایضاح المکنون فی الذیل کشف الظنون ۔ ۱۴۔ عقائد النسفی ۔

SUPPLEMENTARY CATALOGUE OF ARABIC PRINTED BOOKS IN THE BRITISH MUSEUM, 1959 _ P. 727.

A DESCRIPTIVE CATALOGUE OF THE ORIENTAL MSS. BELONGING TO THE LATE E. G. BROWNE, 1932 _ P. 5

حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب

احکام و مسائل

سوال :- نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنا مشروع ہے یا ممنوع۔ اگر مشروع ہو تو اس کا اذانِ عید سے کونسا فرق ہے کہ وہ ممنوع ہے اور یہ نہیں۔

جواب :- نمازِ جنازہ کے بعد اسی حالت میں دعا کا التزام تو بدعت ہے، لیکن اگر کسر الصفوف کے بعد ہو اور بلا التزام ہو تو ممنوع نہیں، البتہ دعا قبل السلام پر اکتفاء کرنا افضل اور قول منصور ہے۔

(دلیل) — کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس دعا کے کرنے اور نہ کرنے کے متعلق کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ کما لا یَخْفٰی عَلٰی مَنْ راجَعَ اِلٰی کُتُبِ الحدیثِ۔ اور ابن الہمام وغیرہ محققین نے تصریح کی ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ ویُؤیّدُھُمْ مَا رواہ ابوداؤدَ اَنَّ ماسَکتَ عنہ فَھُوَ عفوٌ۔ لہٰذا دعا بعد الجنازہ جو کہ بذاتِ خود بڑی عبادت ہے۔ مباح اور جائز ہوگا بخلاف اذانِ عید کے، کیونکہ اس کے متعلق نہ کرنے کی روایت ثابت ہے۔ وھُوَ ما رواہ اَبُوداؤدَ اَنَّ رسولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّمَ صلَّی العیدَ بلا اَذانٍ وَلَا اِقامَۃٍ وَابابکر وعُمَرَ۔ یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نمازِ عید کو بغیر اذان اور اقامت کے پڑھا۔ پس عدم الروایت اور روایت العدم اور عدم ذکر اور ذکر عدم میں فرق نہ کرنا غباوت یا جہالت ہے۔

<u>ایک سوال اور اس کا جواب۔</u> اگر کوئی کہے کہ دعا بعد الجنازہ کے متعلق حدیث وارد ہے: وَھُوَ ما رواہ اَبُوداؤدَ اِذَا صَلَّیْتُمْ علی المیّتِ فَاَخْلِصُوْا لہ الدعاءَ (جب تم مردہ پر جنازہ پڑھتے ہو تو اس کے لئے دعا میں اخلاص کیا کرو۔ نیز امام کاسانی نے بدائع ص ۳۱۱ ج ۱ میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دفعہ نمازِ جنازہ فوت ہوئی تو آپ نے دوبارہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا الصلوٰۃُ علَی الجنازۃِ لَا تُعادُ وَلٰکِنْ اُدْعُ للمیّتِ واسْتَغْفِرْ لہ۔ نمازِ جنازہ دوبارہ نہ پڑھی جائے گی لیکن اس مردہ کے لئے دعا اور استغفار کرو۔ ورُوِیَ ان ابن عباس وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فَاتَتْھُمَا صلوٰۃٌ علی جَنازَۃٍ فَلَمّا حضرا مَا زادا علَی الاستِغْفارِ لَہٗ وَرُوِیَ عن عبد اللّٰہ بن سَلامٍ اَنَّہٗ فَاتَتْہُ الصلوٰۃُ علی جَنازَۃِ عُمَرَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فلمّا حَضَرَ قالَ اِنْ سَبَقْتُمُوْنِیْ بِالصلوٰۃِ علیہ

فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالدُّعَاءِ لَہٗ۔ انتہٰی۔ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک میت پر نمازِ جنازہ فوت ہوئی تو انہوں نے حاضری کے وقت صرف اس میت کے لئے استغفار پر اکتفاء کیا۔ اور عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نمازِ جنازہ ادا کرنا فوت ہوا تو لوگوں سے فرمایا کہ اگر آپ مجھ پر نمازِ جنازہ میں سبقت لے گئے تو مجھ پر دعا کرنے میں سبقت نہیں لے سکتے۔ یعنی مجھ سے دعا تو فوت نہیں کرسکتے۔ تو جواب میں کہا جائے گا کہ حدیث مرفوعہ میں دعا سے مراد دعا قبل السلام ہے۔ محدثین اور فقہاء نے یہی معنی مراد لیا ہے۔ اور جن روایات کو صاحب بدائع نے ذکر کیا ہے۔ تو ان میں اس شخص کے دعا کرنے کا ذکر ہے جس سے نمازِ جنازہ فوت ہوا ہے۔ اور یہ محل نزاع نہیں ہے۔

سلفیہ کی دلیل کا جائزہ اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نمازِ جنازہ کے بعد دعا نہیں کی ورنہ منقول اور مروی ہوتا اور بہ ظاہر بھی یہی معلوم ہوتا ہے، تو اس سے اس دعا کا بدعت اور مکروہ ہونا لازم نہیں ہوتا ہے۔ ورنہ فرائض کے بعد ہئیت اجتماعی سے دعا کرنا اور قرآن مجید کا پشتو اور اردو میں ترجمہ کرنا بھی بدعات ہوں گے حالانکہ یہ امور بدعات نہیں ہیں۔ پس اسی طرح دعا بعد الجنازہ بھی بدعت اور مکروہ نہ ہوگا۔ ہمارے جن مشائخ فقہاء اور مفسرین نے اس دعا کو مکروہ کہا ہے تو کسی نے اس کراہت کو اس سلفی دلیل پر بنا نہیں کیا ہے انہوں نے دیگر دلائل سے اس مدعی کو مبرھن کیا ہے۔

ایک توہم کا ازالہ بعض وہ لوگ جو کہ دیوبندیت اور حنفیت کے لباس میں نجدیت اور سلفیت کی اشاعت کرتے ہیں صاحب الہدایۃ اور ملا علی قاری کے بعض مختصر عبارات سے تمسک کرتے ہیں کہ جو کام پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ کیا ہو تو وہ بدعت ہوگا۔ خودغرضی اور مطلب پرستی ہے۔ کیونکہ حدیث صرف فعل رسول کا نام نہیں ہے، حدیث قول فعل تقریر تینوں کو کہا جاتا ہے۔ ان کی عبارت اشارت، دلالت، اقتضاء، اعتبار کوئی بھی بدعت نہ ہوگا۔ مزید تفصیل کے لئے التعلیق الممجد (ص ۱۶۴) کو مراجعت کیا جائے۔

فقہاء کرام کے آراء اکثر فقہاء کرام کی عبارات سے دعا بعد الجنازہ کا ممنوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ امام فضلی بخاری سے جواز مروی ہے کما فی البحر (ص ۱۸۳ ج ۲) وعن الفضلی لَا بَأْسَ بِہٖ۔ انتہٰی

نیز واضح رہے کہ ان مشائخ (مانعین) میں سے بعض نے دلیل کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اور بعض نے (ملا علی قاری نے) زیادت علی الجنازہ کو مبنیٰ قرار دیا ہے۔ حیث قال فی المرقاۃ (ص ۴۶ ج ۴) لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ فِیْ صَلوٰۃِ الْجَنَازَۃِ۔ اور بعض نے (صاحب بزازیہ نے) تکرار جنازہ کے مبنیٰ ہونے کیطرف اشارہ کیا ہے۔ حیث قال لانہ دعا مرۃ لان اکثرھا دعاءٌ (ھامش الھندیۃ ص ۹۰ ج ۴) یعنی نمازِ جنازہ میں مقصود دعا ہوتی ہے۔ تو گویا نمازِ جنازہ دعا سے عبارت ہے۔ پس دعا کرنے سے تکرار جنازہ کا توہم لازم

ہوگا۔ اور اس عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سلام سے قبل دعا کرنے کے باوجود اگر دعا بعد السلام کی جائے تو تکرارِ دعا لازم ہوگا، کیونکہ تکرار دعا بذاتِ خود ممنوع نہیں ہے ورنہ اوقاتِ خمسہ میں سلام سے قبل دعا کرنے کی وجہ سے دعا بعد السلام کا ممنوع ہونا لازم ہوگا۔

پس بنا بر تحقیق، یہ کراہت، تشبیہ پر مبنی ہوگا کہ اس دعا سے نمازِ جنازہ پر زیادت اور توہم تکرار لازم آتے ہیں، جیساکہ فرائض کے بعد متصل اسی مکان میں سنت پڑھنا بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے۔

اور یہ تشبیہ اس وقت لازم ہوتی ہے، جبکہ صفوف میں کھڑے ہوکر دعا کی جائے اور چونکہ کسر الصفوف کے بعد یہ تشبیہ موجود نہیں ہے۔ لہذا کراہیت بھی نہ ہوگی۔ ویُشیرُ الیہ تعبیرُھُم بِلا یقوم بالدعاءِ مَعَ کونِ التعبیرِ بلا یدعو اخصر۔

التزام بدعت ہے | چونکہ یہ دعا نہ لازم اور واجب ہے۔ اور نہ سنت موکدہ یا زائدہ ہے۔ لھذا اس کا واجب اور سنت ماننا یا اس کے تارک پر انکار کرنا بدعت ہوگا۔ جیساکہ اس کے مطلق فاعل کو مبتدع قرار کرنا منکر ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
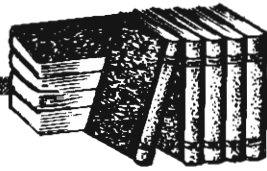
برگِ گل - تعلیمی پالیسی نمبر | سرپرست : پروفیسر محمد خلیل اللہ - نگران : پروفیسر محمد ایوب قادری -
طباعت عمدہ ، صفحات : ۳۸۴ ، قیمت : درج نہیں ، ناشر : گورنمنٹ اردو کالج - کراچی -

انجمن ترقی اُردو پاکستان کے بانی بابائے اُردو مولوی عبدالحق ، اُردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے داعی تھے انہوں نے اِس مقصد کے لئے " اردو کالج " کراچی کی بنیاد رکھی - مولوی صاحب کی زندگی ہی میں اردو کالج نے ملک کے تعلیمی اداروں میں اپنا مقام بنالیا تھا - اس کا سبب اردو کالج کے سٹاف ، انجمن ترقی اردو اور اردو دوستوں کی مساعی جمیلہ تھیں -

" برگِ گل " اردو کالج کا مجلہ ہے اور غالباً سال میں ایک بار شائع ہوتا ہے - کالج کی سلور جوبلی کے موقع پہ " برگِ گل " کی خصوصی اشاعتیں " بیادِ سرسید " اور " بیادِ عبدالحق " خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں -

زیرِ نظر خصوصی اشاعت میں پاکستان کی تعلیمی پالیسی ، نظامِ تعلیم اور تعلیمی مسائل پہ اہلِ نظر کے مضامین شامل ہیں - برِصغیر کے اہم تعلیمی اداروں اور تحریکوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے - اس سلسلہ میں جامعہ عثمانیہ ، دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور ، انجمن حمایت اسلام لاہور ، دارالعلوم دیوبند ، دہلی کالج ، جامعہ سندھ ، اورنٹیل کالج لاہور ، جامعہ کراچی ، اردو کالج کراچی ، مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور ، جامعہ علی گڑھ ، سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی ، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور سندھ کے معروف دینی مدارس کی تاریخ ، نصاب ، خدمات اور اہم شخصیات پر قابلِ قدر مواد مہیّا کیا ہے -

پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب نے اپنے تاریخی ذوق کے پیشِ نظر بعض مضامین بطور خاص مرتب کروائے ہیں - ثناء الحق صاحب نے صوبہ سندھ کے ڈسٹرکٹ گزیٹیرز سے صوبہ کے سات اضلاع کی تعلیمی حالت (۱۹۲۰ء) پیش کی ہے - اس طرح عبدالرحمان امرتسری کے سفرنامہ سے اقتباس " پنجاب و سندھ کے تعلیمی حالات " خوب ہے ---- اس اشاعت پر اُردو کالج کے کارپرداز اور خاص طور پہ سرپرست اور نگران حضرات اہلِ ذوق کے شکریہ کے مستحق ہیں -

رجل رشید | مرتب و مؤلف : مولانا زاہد الراشدی - **صفحات : ۲۲۴** ، **طباعت : نفیس**
قیمت : -/۶ روپے - ناشر : مکتبہ مدنیہ جامع مسجد مدنی گلی نمبر ۱ شمالی - باغبانپورہ جدید - گوجرانوالہ

سید شمس الدین شہید ڈپٹی سپیکر بلوچستان اسمبلی بہت کم عمر میں صوبائی سیاست میں ابھرے اور محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بہت جلد قومی سطح کے لیڈروں میں شامل ہو جائیں گے مگر صیاد نے اس پھول کو کچل دیا تاکہ اس کی خوشبو ملک میں نہ پھیل سکے مگر وہ جان دے کر بھی خوشبو (مشن) پھیلا گئے۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اُن کی یاد میں بزم سجائی ہے۔ اُن کے مشن کو تازہ کیا اور ان کے اخلاص، جرأت ایمانی اور کردار و گفتار پر لکھا ہے۔ قومی راہنماؤں اور پریس کا خراج عقیدت یکجا کیا ہے۔ اس کے ساتھ شہیدؒ کی سیٹ پر ضمنی انتخاب کے نائک کی رپورٹ ہے، ایک حصہ شہید کے افکار و خیالات پر مبنی ہے۔ بلوچستان اسمبلی میں ممانعت شراب پر قرار داد اور تقریر، پنجاب کے متعدد خطابات، شہید کی آخری تقریر پڑھ کر جذبۂ تازہ حاصل ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ تذکرہ ایمانی قوت کے لئے تازگی بخش ہے۔

مناقب صدیق اکبرؓ | مرتب : محمد فاروق خان سعیدی - **صفحات : ۸۰** **کاغذ و طباعت : عمدہ**
قیمت -/۳ روپے - ناشر : ادارۂ تبلیغ اہل سنت پاکستان - **اندرون پاک گیٹ - ملتان شہر** -

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حضور ۴۴ اُردو شعراء کا منظوم ہدیہ عقیدت ہے۔ منقبت نگار شعراء میں مولانا ماہر القادری، عبدالعزیز خالد، شکیل بدایونی، حمید صدیقی، امین گیلانی اور سرور سہارنپوری کے نام شامل ہیں۔ اس انداز کی پہلی کوشش ہے اور قابلِ تحسین ہے۔ تاہم آئندہ ایڈیشن مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

شانِ صحابہؓ | مؤلف : قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب - **صفحات : ۷۲** **کاغذ و طباعت : عمدہ**
قیمت -/۲ روپے - ناشر : دارالارشاد، جامعہ مدنیہ، کیمبل پور -

جناب قاضی صاحب نے قرآن عزیز کی روشنی میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان بیان کی ہے۔ تفسیری اور تشریحی مقاصد کے لئے حدیثِ نبویؐ سے مدد لی ہے۔ اپنے موضوع پر مختصراً اور عمدہ کتابچہ ہے۔ تبلیغی مقاصد کے لئے اس کی اشاعت مفید رہے گی۔

ام کلثومؓ بنت علیؓ | مؤلف : مولانا محمد صدیق صاحب - **صفحات : ۶۴** **طباعت و کاغذ : عمدہ**
قیمت -/۴ روپے - ناشر : عمیر اکیڈمی - رحمت آباد - لائل پور -

اس مختصر کتابچے میں مولانا محمد صدیق صاحب نے شیعہ کتب سے یہ حقیقت ثابت کی ہے کہ حضرت ام کلثومؓ (بنت علیؓ) خلیفۂ دوم حضرت فاروق اعظمؓ کے عقد میں تھیں اور حضرت فاروقؓ کے ہاں اُن سے اولاد پیدا ہوئی ـــــ اندازِ بیان مناظرانہ جھلک رکھتا ہے۔ تاہم اپنے موضوع پر عمدہ کوشش ہے۔ البتہ قیمت کچھ زیادہ ہے۔

فیضانِ خورشیدؒ | مرتب، محمد عثمان انوری۔ صفحات : ۶۴ طباعت و کاغذ، اچھا قیمت -/۶ روپے
ناشر، مدرسہ تعلیم الدین۔ عثمان آباد گلی نمبر ۳۔ کراچی ۳۰

حضرت پیر خورشید احمد ہمدانی مرحوم، حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ ایک صدی سے زائد عمر پائی۔ ۱۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ کو فوت ہوئے، زیرِ نظر کتابچہ میں مرحوم پیر صاحب اور ان کے روحانی مشائخ کا مختصر تذکرہ ہے۔ اس کے ساتھ یارانِ سلسلہ کے لئے صبح و شام کے معمولات اور شعبہ ہائے طریقت درج ہیں۔

پیر صاحب کے خاندان کے بارے میں مرتب نے لکھا ہے۔ " آخری دور میں اس خاندان کے ایک نامور بزرگ علامہ سید انور شاہ کاشمیریؒ تھے۔" (ص ۹) یہ بیان درست نہیں۔ ڈاکٹر محمد رضوان اللہ کا تحقیقی مقالہ (مطبوعہ۔ علی گڑھ) اس سلسلہ میں روشنی ڈالتا ہے۔

نصابِ اسلامیات درجہ ثانویہ پر ایک تنقیدی نظر | تحریک طلبائے اسلام پاکستان نے نصاب کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے اور دینی نقطۂ نظر سے اہلِ سنت کی عظیم اکثریت کے عقائد اور دینیات سے جو زیادتی کی جارہی ہے، اس پر بھی مدلل روشنی ڈالی گئی ہے۔

رسالہ حقوقِ والدین | حافظ عبد المجید چغتائی (کہروڑ پکا۔ ملتان) نے قرآن و حدیث کی روشنی میں والدین کے حقوق پر لکھا ہے۔ اچھا کتابچہ ہے۔

قادیانیوں سے ستر سوالات | مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری مرحوم کا یہ کتابچہ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ملتان نے شائع کیا ہے۔

فضلاء دارالعلوم حقانیہ کے نام

شعبۂ تنظیم فضلاء دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور پاکستان

محترم المقام زید مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ دارالعلوم حقانیہ کے قابل فخر فاضل ہیں اور مادر علمی کے ساتھ آپ کا ربط وتعلق نہایت ضروری ہے۔ بسا اوقات دینی، علمی تدریسی خدمات کے لئے لوگوں کی طلب آجاتی ہے۔ مگر اکثر فضلاء سے رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم انہیں موزوں خدمت کیلئے منتخب نہیں کر سکتے اس کے علاوہ دارالعلوم عنقریب اپنی زندگی کے تیس سال پورے کر رہا ہے۔ انشاء اللہ اس وقت بحمداللہ ابنائے دارالعلوم کی علمی تدریسی تبلیغی اور معاشرتی خدمات سے ملک و بیرون ملک مسلمان مستفید ہو رہے ہیں۔ دارالعلوم میں فضلاء سے رابطہ اور علمی و دینی خدمات منظم کرنے کی خاطر شعبہ تنظیم فضلاء حقانیہ قائم کر دیا گیا ہے۔ نیز عصر حاضر کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کے پیش نظر تصنیف وتالیف کے میدان میں منظم طور پر کام کرنے کیلئے موتمر المصنفین کے نام سے ایک مستقل شعبہ بھی قائم کر دیا گیا ہے۔ جو علمی و دینی موضوعات پر فضلاء کی تحریری تربیت اور اکابر کی اہم تصانیف کی اشاعت کا کام کرے گا۔ اور امید ہے فضلاء اس شعبہ کی تمام مطبوعات حاصل کرکے اسے مزید خدمت کا موقعہ دیتے رہیں گے۔

فوری طور پر ہمارے سامنے دارالعلوم کے تیس ۳۰ سال کی تاریخ مرتب کرنا اور ان تیس سالوں کے بارہ میں ماہنامہ الحق کا ایک ضخیم خصوصی شمارہ شائع کرنا ہے جو دارالعلوم کی تمام ہمہ جہتی خدمات اور ابتدائے تاسیس سے اب تک کے تمام شعبوں، طلبہ، اساتذہ اور بالخصوص فضلاء کے تفصیلی احوال پر مشتمل ہوگا۔ اور انشاء اللہ علمی دنیا کیلئے ایک تاریخی دستاویز کا کام دے گا اس طرح حلقۂ فضلاء اپنی تمام حقانی برادری سے متعارف ہو سکے گا۔ اور علمی دنیا ان کی ہمہ جہتی خدمات سے بھی باخبر ہو سکے گی۔ اس لئے علم، دین، مسلک ومشرب اور دارالعلوم کے مفاد کی خاطر حسب ذیل سوالات کا مفصل جواب واضح اور صاف قلمبند کرکے جلد از جلد ارسال فرما دیجئے تاکہ تاریخی دستاویز اور الحق کا خاص نمبر آپ کے ذکر خیر سے خالی نہ رہے۔

اس کے علاوہ اہم دینی وعلمی مسائل پر اسلام کی ترجمانی کرنے والا ماہنامہ الحق جو آپ کی

مادرِعلمی کا ترجمان ہے بھی ہر ماہ آپ کو مطالعہ کرنا چاہئیے۔ فضلاء دارالعلوم کو تو اپنے علمی و دینی مجلّہ کا رکن بننا نہایت ضروری ہے۔ اگر آپ اس کے خریدار نہیں تو فوری طور پر خریداری قبول کیجئے اور خریدار ہیں تو اپنے حلقہ اثر میں اسکی اشاعت بڑھائیے۔ سوالنامہ حسب ذیل ہے:

۱ سنۂ فراغت۔

۲ فراغت کے بعد کہاں کہاں تدریس کی اور کن کتابوں کی۔

۳ کسی مدرسہ یا دینی ادارہ کی تاسیس، اہتمام، نظامت وغیرہ معہ تفصیل مدرسہ۔

۴ تقریر و خطابت امامت و درس قرآن و حدیث میں آپ کی خدمات، کالج، سکول، فوج وغیرہ میں ملازمت کی نوعیت۔

۵ تحریر و تصنیف، شعر و ادب، تجوید و قرأت کے میدان میں خدمات تحریری کام مطبوعہ وغیر مطبوعہ۔

۶ سیاست اصلاحِ معاشرہ۔ اصلاح رسوم۔ تبلیغ و دعوت کی تفصیلات۔

۷ علمی مشاغل کے علاوہ ذریعۂ معاش، پیشۂ طبابت، تجارت وغیرہ۔

۸ دارالعلوم میں زمانۂ قیام کے اہم واقعات، اساتذہ اور دارالعلوم کے بارہ میں تاثرات۔

۹ آپ کے علاقہ میں فضلاء دارالعلوم کی علمی، تدریسی وغیرہ خدمات کی تفصیل اور اثرات۔

۱۰ خط و کتابت کیلئے آپ کا موجودہ پتہ۔

۱۱ شعبۂ تنظیم[۱] فضلاء، دارالعلوم کی تاریخ[۲]، الحق کا خاص شمارہ[۳]، سالانہ خریدار بننے[۴] اور مؤتمر المصنفین[۵] کے بارہ میں آپ کیا تعاون کر سکتے ہیں۔

۱۲ اگر آپ کو فرصت ہے تو باہر کے مطالبات پر آپ تدریس، امامت، ٹیچری وغیرہ کس قسم کی خدمات کیلئے تیار ہو سکتے ہیں۔ جواب جلد ارسال فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ ملک و ملت کی بہترین خدمات کی توفیق عطا فرما دے۔

والسلام

عبدالحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

پتہ:۔ شعبۂ تنظیم فضلاء حقانیہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور۔ پاکستان۔

اطلاع عام

ایس اے بجلی کے پنکھے اور موٹریں

ہم اپنے کریم فرماؤں کو یہ اطلاع بہم پہنچا کر نہایت خوشی محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے مقرر کردہ صوبہ سرحد کے لئے مندرجہ ذیل ڈیلر حضرات ہی صرف ہماری بنائی ہوئی مصنوعات ایس اے بجلی کے پنکھے اور موٹریں فروخت کرنے کا پورا اختیار رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ اس طرح آپ کا مصرف صحیح معنوں میں ہوگا۔ نیز ہم اپنے کرم فرماؤں کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر کوئی دوکاندار ہماری مصنوعات ایس اے بجلی کے پنکھے اور موٹریں ہمارے منظور شدہ ٹریڈ مارک S.A کے نام سے یا اس سے ملتا جلتا جعلی نام سے فروخت کرے، تو ہمیں فوری اطلاع دیں جس کے لئے ہم ان کے مشکور و ممنون ہوں گے۔

بذریعہ نوٹس ہذا ہم اپنے ان کاروباری حضرات یا دوکانداروں کو بھی تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ ہماری تیار کردہ مصنوعات S.A ایس اے بجلی کے پنکھے اور موٹریں ہمارے نام سے بنانا یا فروخت کرنا فوری طور پر بند کر دیں، ورنہ وہ ہمارے ہر قسم کے حرجہ خرچہ اور نقصان کے ذمہ دار ہوں گے۔

ہول سیل اور سب ڈیلرز

۱۔ اقبال ریڈیوز ۱۰۶۲ شاہراہ پہلوی پشاور کینٹ۔

۲۔ نیشنل لائیٹ ہاؤس داس بازار بنوں۔

۳۔ سلطان محمود ڈیلر ایس اے فین اور سنگر سیونگ مشین چارسدہ۔

۴۔ فضل غنی اینڈ سنز ڈیلر ایس اے فین اور سنگر سیونگ مشین ہوتی مردان۔

۵۔ جمشید سائیکل مارٹ مال روڈ۔ نوشہرہ کینٹ۔

منجانب بورڈ آف ڈائریکٹرز

فون۔ 4700
گرام۔ ESSAYFAN

ایس اے الیکٹریکل انڈسٹریز لمیٹڈ
جی ٹی روڈ گجرات

دعوات حق

افادات

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

نیا عظیم الشان مجموعہ چھپ کر شائع ہوگیا ہے

عبادات و عبدیت، اطاعت و محبت، دین و شریعت، علم و عمل، وحی و رسالت، صلاح و فلاح اُمت، معیشت و معاشرت
سیاست و تمدن، اخلاق و تصوّف، تعلیم و تبلیغ، عروج و زوال سے متعلق ایمان افروز مواعظ و ارشادات

حکیم الاسلام قاری محمد طیّب مدظلہ دارالعلوم دیوبند کتاب کے پیشِ لفظ میں فرماتے ہیں :

"کتاب کی قدر و قیمت کیلئے یہ حجۃ کافی ہے کہ مولانا ممدوح کے افکارِ عالیہ کا ذخیرہ ہے قدر الشّہادۃ قدر الشّہود مولانا کے کمالاتِ باطنی کتاب کی سطر سطر سے عیاں ہیں احقر نے چند مواعظ کا مطالعہ کیا تو خاص اثر قلب میں محسوس کیا۔"

علاّمہ شمس الحق افغانی مدظلہ دیباچہ میں فرماتے ہیں :

"یہ مجموعۂ خطبات، اسرارِ عبادات و اخلاص و نوامیس، اصلاح معاشرہ و اصلاح ظاہر و باطن و نکاتِ سیاست اسلامیہ کا ایک مستند مخزن ہے، صحیح مسلمان اور بندۂ خدا بننے کیلئے اس مجموعہ کا مطالعہ ضروری ہے خواص ہوں یا عوام۔"

روزنامہ "مشرق" ۱۸/ اپریل ۱۹۷۶ء کے طویل تبصرہ کا اقتباس :

"زیرِ نظر کتاب میں مولانا کے ممتاز عالمِ دین، مبلّغ اور معلّم کی حیثیت سے شخصیت تینوں زاویوں سے بھرپور نظر آتی ہے۔ کتاب میں ایسی دلکشی پیدا ہوگئی ہے کہ قاری وعظ و تلقین کی اس مجلس میں اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا، بلکہ شوق و توجہ سے اخذ مطالب کرتا جاتا ہے۔ عالموں، واعظوں، خطیبوں اور مبلّغوں کے علاوہ عام آدمی بھی اس کتاب سے احکام دین کو عملی زندگی میں بروئے کار لانے میں مدد لے سکتا ہے۔"

بارہ اہم ابواب، ۶۲ مواعظ و خطبات، تقریباً ۵ سو ذیلی عنوانات، صفحات ۶۷۵، کتابت و طباعت آفسٹ نہایت مضبوط دیدہ زیب جلد۔ عام قیمت -/۳۰ روپے۔ اہل علم اور طلباء کے لئے -/۲۵ روپے۔

آج ہی طلب فرمائیے

مؤتمر المصنّفین دارالعُلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

پاکستان

بے پردگی اور بے حجابی کی تحریک

ان تین اعضاء کے علاوہ اکیلے میں بھی نماز کے دوران چوتھائی حصہ جسم کا کھل گیا یا مرد کے حصہ ستر کا ایک چوتھائی بھی کھل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، یہ وہ حقیقی ستر ہے جو بذاتہ مردوں عورتوں پر یکساں لازم ہے۔ فرق ہے تو جسم کی حدود میں۔ اور جس طرح مرد اپنے ہم جنس مردوں سے بھی حصہ ستر چھپانے کا پابند ہے اسی طرح عورت اپنی ہی ہم صنف عورتوں سے بھی سوائے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے باقی سارا جسم چھپائے رکھے گی، یہاں تک کہ بلا ضرورت تنہائی میں بھی مرد یا عورت کو ستر کے حصے کھولنا مکروہ ہے۔ اور ایک حجاب یعنی تمام اجنبی مردوں سے پردہ جو صرف عورتوں پر لازم ہے، مردوں پر نہیں اس میں سر سے پاؤں تک بشمول چہرہ سارا حصہ ڈھانپنا ضروری ہے، حجاب اور ستر کے مختلف دائروں کو خلط ملط کر کے بے پردگی کا جواز نکالنے والے عموماً دھوکہ دیتے ہیں، اگر چہرہ اور ہاتھ پاؤں ستر نہ ہوتے تو پس پردہ گفتگو یعنی من وراء حجاب، کے قید لگانے کی ضرورت نہ ہوتی نہ ادناء جلابیب یعنی سر سے پاؤں تک لمبی چادر اوڑھنے کی۔ پس اگر بعض روایات میں کچھ مستثنیات ہیں تو ستر کے متعلق ہیں نہ کہ حجاب میں جسے ہمارے ہاں عرف عام میں پردہ کہا جاتا ہے ــــــ۔

اسی طرح آیت استیذان میں مردوں پر لازم کیا گیا کہ کسی بھی گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں۔ اور اگر پس پردہ کبھی مجبوراً کسی نامحرم سے گفتگو کی نوبت آ بھی جائے تو ہدایت کی گئی کہ سریلی آواز اور نرم و نازک لہجہ میں عورت گفتگو نہ کرے۔ بلکہ شائستگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے روکھے پھیکے طرز میں ضروری جواب دیدے۔ تاکہ کسی بدنیت اور خبیث الطبع شخص کے دل میں فتور نہ آ جائے۔ فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولاً معروفا۔ الآیۃ۔

واویلا ہے کہ اس طرح تو عورت ایک قیدی کی طرح قفس میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے کہ اس کے لئے گھر سے باہر قدم رکھنا بھی جرم ہے۔ حالانکہ آیات و نصوص اور روایات، ممانعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کسی دینی یا دنیوی ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے بھی باہر نہیں نکل سکتی۔ وہ بلاشبہ دینی و دنیوی ضروریات کیلئے باہر نکل سکتی ہے۔ حج و زیارت کے لئے، عبادات کیلئے، تعزیت اور تیمار داری کیلئے، والدین اور قرابتداروں سے ملاقات کے لئے، علاج معالجہ کے لئے جا سکتی ہے۔ مگر اس کا یہ جانا کئی شرائط اور تقییدات کے ساتھ ہوگا۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورت بلاضرورت باہر نہ نکلے اور اس لئے طرح طرح سے خروج کی حوصلہ شکنی کی گئی کہ یہ نقل و حرکت کم سے کم رہ جائے اور جب خروج کی نوبت آ بھی جائے تو یہ چیز عریانی، بے پردگی، محاسن و نمائش کی تشہیر اور جذبات بھڑکانے کا ذریعہ نہ بنے اور اس کی چال میں، ڈھال میں، لباس اور گفتار میں فحاشی کا کوئی داعیہ اور عنصر شامل نہ ہو۔ یہ خروج شرائط کے ایک دائرہ میں محصور ہے۔ مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی غض بصر کا حکم دیا گیا۔ اسے سفر کی ضرورت پڑے تو خواہ یہ سفر، سفر حج، ہی کیوں نہ ہو جس کی ادائیگی ایک فریضہ ہے۔ وہ باپ، بیٹے، بھائی، شوہر اور محارم کے بغیر نہیں جا سکتی۔ جب عبادت کے سفر کا

یہ حال ہے تو عادت اور سیاحت کے اسفار میں اکیلے جانا جائز ہوگا۔ جو لوگ عورتوں کی قید کا رونا رو کر عورتوں کو دیس دیس کی سیاحت اور تنہا گھومنے پھرنے کا راستہ کھولنا چاہتے ہیں اُن پر ایک اخبار کے مزاحیہ کالم میں ایک گمنام خاتون نے بہت سادہ الفاظ میں اس طرح طنز کی ہے کہ خدارا ہمیں ان فقیرنیوں کی طرح نہ بنائیں جو ننگے سر ننگے پاؤں ننگے جسم کے ساتھ سامانِ سفر کا تھیلا پیٹھ پر لادے ہوئے، بھیک مانگتے ہوئے فٹ پاتھوں اور سڑکوں پر گھوم پھر رہی ہیں۔ ——— یہی خروج، تبرج جاہلیت نہیں تو اور کیا ہے۔ ٹیڈی باریک اور چست لباس پہن کر یا منی سکرٹ پہن کر سڑکوں پر آوارہ گردی کرنا اس خروج کی اجازت اگر اسلام سے مطلوب ہے تو اسلام ایسی کاسیات عاریات (برائے نام لباس والی مگر درحقیقت ننگی) پر لعنت بھیجتا ہے اور انہیں عذاب جہنم کی وعید سناتا ہے۔

یہی حال حج کے علاوہ نماز باجماعت کا ہے جو افضل ترین عبادات میں سے ہے۔ صحابیاتؓ کی خواہش ہوتی کہ جماعت میں شریک ہوں مسجد نبوی کی نماز اور حضورِ اقدسؐ کی اقتداء میں باجماعت نماز، کہ ساری متاعِ کائنات اس کے سامنے ہیچ، اس سے بڑھ کر سعادت کیا ہو سکتی ہے ——— نفسی اجازت تو دی گئی مگر یہاں بھی قیودات کے ساتھ کہ ماحول اور زمانہ فساد کا نہ ہو عورت کی عزّت اور عصمت خطرہ میں نہ ہو۔ اور خواتین سر سے پاؤں تک ڈھکی چھپی ہوں۔ جس کی طرف "متلفعات بمروطهن" میں بھی اشارہ ہے۔ اور صفوں میں بھی ان کی صف سب سے آخر میں ہو۔ کہ سب سے آخر میں آکر سب سے پہلے چلی جائیں، اس طرح مردوں اور عورتوں کی نگاہوں کے تصادم کی نوبت ہی نہ آئے۔ اور بعض فقہاء و ائمہ نے تو جماعت میں مرد و زن کے محاذات کو مفسد نماز قرار دیا۔ غرض طرح طرح کی رکاوٹیں اس معاملہ میں بھی ملحوظ رکھی گئیں۔

ایک صحابیہؓ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداء میں نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو حضورؐ نے فرمایا گھر کی کوٹھڑی میں تمہارا نماز ادا کرنا اُس نماز سے افضل ہے جو تم گھر کے دالان میں پڑھو۔ اور گھر کے برآمدہ میں نماز اُس نماز سے افضل ہے جو تو گھر کے صحن میں ادا کرے۔ اور گھر کے صحن میں جو نماز پڑھے وہ مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ اور گھر کی اس نماز کی یہ افضلیت اس مسجد کی نماز پر دی گئی جہاں کی ایک نماز دیگر مساجد کی نماز پر ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ اور پھر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداء میں نماز کہ دنیا و آخرت کی ساری دولتیں اس کے سامنے ہیچ نعمت ہیں۔ اور وہ اس عہد سعادت میں جب کہ عفت و تقویٰ کا چار سو دور دورہ تھا۔ اور تسلیم و انقیاد کی کیفیت خود عورتوں میں بھی ایسی تھی کہ آیتِ حجاب کے نازل ہونے پر جس خاتون نے راہ چلتے ہوئے اعلان حجاب سنا، اس کے وہیں قدم جم گئے۔ جو جہاں تھیں وہیں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئیں اور دوسرا قدم تب اٹھایا کہ اپنے آپ کو چادروں میں چھپا لیا تھا۔ مسجد جانے کے ضمن میں اجازت بھی دی گئی تو ایک حدیث میں اسے رات کی تاریکی سے مقید کر دیا گیا کہ جانا بھی چاہیں تو تاریکیٔ شب میں جانا بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ جب مسجد جانے کا قصد کرے تو خوشبو نہ لگائے بلکہ ممانعت

بھی وارد ہوئی کہ جو عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ نماز عشاء میں شرکت نہ کرے۔ خوشبو کے علاوہ ایسا بناؤ سنگھار بھی منع ہے جو مسجد میں نمازیوں کے لئے فتنہ سامانی کا باعث بن جائے۔ فرمایا: ولیخرجن تفلات۔ مسجد جانے کیلئے میلی کچیلی ہو کر نکلیں یعنی بناؤ سنگھار اور میک اپ کر کے نہ نکلیں پھر خوشبو کی یہ ممانعت مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں بھی گھر سے باہر نکلے ایسی کوئی خوشبو لگانے سے احتراز کرے جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بنے، ایسی عورت کو جو خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گذرتی ہے زانیہ کہا گیا فھی کذا وکذا۔

باہر نکلنے کے دوران یہ قید بھی لگائی گئی: ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔ لمبی چادریں اپنے سینوں پر ڈھانک دیں۔ عورت اگر بجنے والا زیور پہنے ہوئے ہے تو چلتے ہوئے اسے بجا بجا کر نہ چلے کہ لوگوں کو مخفی زیور کا علم ہو سکے یا اس کے بجنے کی آواز سے لوگوں کو اس طرف رغبت ہو۔ ولا یضربن بارجلھن۔ الآیۃ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ عورتوں کو اجنبیوں پر سلام کرنا نہیں نہ اس پر اجنبی مردوں کے سلام کا جواب دینا ہے۔ تمدّن و تہذیب کے نام سے عورتوں کو کلبوں اور مخلوط مجالس میں کھینچ کھینچ کر لانے والوں کو اس میں سبق ہے کہ حضورؐ نے عورتوں کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط کے مقامات میں سے ہے۔ اور ایسی تمدّنی معاشرت اور سہولت صاحبِ شریعتؐ کو گوارا نہ تھی۔ عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا۔

اسی طرح عورت کی ایسے مناصب اور اسامیوں پر تقرری ممنوع کر دی گئی جن میں مردوں سے اختلاط اور رُو برُو ہونا یا خلوت کے مواقع کی فراہمی ناگزیر ہے۔ حکومت و ریاست ولایت عامہ قضاء اور عدالتوں کے کاموں سے انہیں روک دیا گیا۔ یہ تحدیدات صرف تمدّنی، معاشرتی، عملی اور علمی حد تک نہ تھیں بلکہ خیالات اور تصوّرات تک میں حیاء و عفت کی نگہداشت کی گئی۔ مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرنے کو کسی نے ناجائز اور کسی نے مکروہ تنزیہی بھی کہا کہ کہیں خیالات کا سلسلہ وضوء سے گناہ تک نہ پہنچ جائے اور جو عمل تطہیر ذنوب و آثام کا ذریعہ تھا موجب آثام نہ بننے پائے۔ جنازہ میں امام عورت کے سینہ سے قدرے ہٹ کر کھڑا ہوگا گو اس پر ڈولی اور پردہ ہی کیوں نہ ہو کہ تصوّر محاسن مرأۃ کیطرف منتقل نہ ہونے پائے، امام جماعت مقتدیوں کے اقتداء کی نیت کرے گا۔ مگر خاص طور پر عورتوں کی نیت نہیں کریگا۔ اسی طرح سلام پھیرتے وقت عورتوں کی نیّت نہیں کی جائے گی۔ کہ آغاز یا انجامِ نماز تصوّرات بد کا ذریعہ اور ناجائز حظّ نفس کا موجب نہ بن جائے۔

آج کہا جا رہا ہے کہ عورتوں کا گھر میں بند رہنا گویا کہ انہیں قفس میں قید رکھنا ہے۔ اور یہ حبس بیجا "مساواتی دور" میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس طرح گھروں میں بیٹھے رہنے سے عورتوں کی صحت خراب ہوتی رہتی ہے۔ حالانکہ عورت کا اپنی مرضی اور طبعی و فطری تقاضوں سے گھروں میں بیٹھنا، جبکہ وہ دینی و دنیوی ضروریات کے لئے شرائط اور قیود کو

ملحوظ رکھتے ہوئے نمائش زینت اور ذریعہ نوالحش بننے سے محترز رہتے ہوئے گھر سے باہر آجا سکتی ہے اور گھر کی چار دیواری اس کے لئے ہزارہا ہزار خطرات اور مصائب سے تحفظ کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ ہرگز قید یا اذیت نہیں بلکہ عین راحت اور نعمت ہے۔ اگر گھر میں اپنی مرضی سے بیٹھے رہنا قید ہے تو پھر تو مردوں کا بھی زیادہ تر وقت گھروں میں رہتا ہے۔ انہیں بھی جبراً نکال دیا جائے۔ پھر بلا ضرورت آوارہ گردی کرنا تو مردوں کیلئے بھی معیوب ہے۔ تو اصل معاملہ خلقی اور جبلّی تقاضوں کی وجہ سے تقسیم کار ہے۔ مرد باہر نکلتا ہے تو عورت اور اس کے بچوں کی خاطر ہزاروں پریشانیوں اور مصیبتوں کا بوجھ اٹھاتے ہوئے ہے، ورکشاپوں میں فیکٹری اور کانوں میں پسینہ سے شرابور اپنا خون جلا رہا ہے۔ کہیں مزدوری اور کاشتکاری میں مقید و محصور ہے، کہیں دفتر کے ایک چھوٹے سے کونے میں صبح سے شام تک ساری زندگی ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح عورت کے ذمہ امور خانہ داری کی انجام دہی بچوں کی تربیت و حفاظت، گھر کی نگہداشت کرنا ہے، وہ گھر کی اسیر نہیں رونقِ خانہ اور نورِ منزل ہے۔ نئی تہذیب ظلم اور قید کے نام پر بظاہر جذبات ترحم ابھار کر اسے باہر کی ناقابلِ برداشت ذمہ داریوں اور صعوبتوں کی خارزار زندگی میں کھینچ کر اپنی فطری ذمہ داریوں کو اس کے سر منڈھنا چاہتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گلیوں، کوچوں میں بازاروں اور فیکٹریوں میں اپنے لئے ذریعۂ تعیش پیدا کیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو قید کا یہ استدلال اور دوسری طرف اسی سانس میں کہہ دیا جاتا ہے کہ پاکستان کی زیادہ تر آبادی دیہات میں عورت پردے کی پابند نہیں اور اپنے خود ساختہ استدلال کی نفی کر دی جاتی ہے۔

اگر آرام و راحت اور جان و آبرو کے ایک گوشۂ راحت میں زندگی بسر کرنا قید ہے تو شہروں کے ان لاکھوں کروڑوں عوام کی زندگی کیا ہے جو ہزاروں مسائل کی چکی میں پستے ہوئے ایک ہی شہر میں حیاتِ مستعار ختم کر دیتے ہیں۔ ہر قسم کی آسائشوں سے محروم پانی کی قلت، خوراک کا فقدان، اور اب شہری فضاؤں کی آلودگی کی وجہ سے ہوا جیسی عام نعمت کو بھی ترسنے لگے ہیں۔ اگر یہ سب قید ہے اور قید سے بھی بدتر، تو پھر تو ساری شہری آبادی کو جنگلوں کی طرف دھکیل دیا جائے کہ وہ آزاد فضاؤں اور جنگلوں میں آزاد ہو کر گھومتی پھرے۔ اور اگر یہ سب کچھ قید و حبس نہیں تو عورتوں کو اپنی اختیار و رغبت اور فطرت کی بنا پر گھروں میں رہنا بھی قید نہیں۔

پھر عورتوں کی خرابیٔ صحت کا رونا رویا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے ملک میں خرابیٔ صحت کی شرح میں اضافہ کے اسباب وہی ہیں جو صرف عورتوں کے نہیں مردوں، بڑوں بوڑھوں اور بچوں سب کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔ ضروریاتِ زندگی سے اکثریت استحصالی ہتھکنڈوں کی وجہ سے محروم رہتی ہے۔ کوئی غذا خالص نہیں ملتی۔ نہ سر چھپانے کے لئے موزوں مکان، نہ سرد و گرم سے بچنے کے لئے مناسب لباس۔ پانی اور ہوا تک جب خالص میسر نہ ہو سکے تو صحت کی شرح کیسے بہتر ہو سکتی ہے۔ چاہیئے یہ کہ حفظانِ صحت کے اصل اسباب تلاش کئے جائیں، اور لوٹ کھسوٹ کے اس کاروبار میں کمی کی جائے جس کی وجہ سے عوام مصائب اور فاقہ کشی کی دلدل میں پھنستے جا رہے ہیں۔ طبّی سہولتوں بالخصوص

عورتوں کے علاج معالجہ کیطرف توجہ کی جائے۔ اگر عورتوں کا گھروں میں بیٹھنا بربادیٔ صحت کا ذریعہ ہے۔ تو آیئے ان مخلوط اور بے حیا اور بے حجاب ملکوں کا حال بھی دیکھنے چلیں جہاں عورت اتنی آزاد ہے کہ ہفتوں اسے گھر کی دہلیز دیکھنا نصیب نہیں ہوتی۔ وہاں جب عورت باہر قدم رکھتی ہے تو ہزاروں پریشانیوں اور خطرات سے جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں اور الجھنوں میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ یورپ کے آئے دن کے ہزاروں نوع بنوع جنسی، اعصابی، نفسیاتی اور ذہنی و دماغی امراض اور اموات کی شرح میں اضافہ کی رپورٹیں پڑھیئے۔ تفریح گاہوں اور کلبوں کی زندگی نے یورپی اقوام کی صحت کو سرطان لگا دیا ہے۔ ایسے جنسی امراض کا دور دورہ ہے جس کا نام ونشان بھی اس سے پہلے نہ تھا۔ ہزاروں، لاکھوں عورتیں اسقاطِ حمل اور متعلقاتِ حمل کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ فیکٹری اور دفتروں کی ملازمت نے اسکی صحت گرادی ہے۔ وہ بچوں کی پرورش کے قابل نہیں رہی وہ والدین اور شوہر کی خدمت نہیں کرسکتی، اُس پر ہسٹیریا کے دورے پڑتے ہیں، وہ ذہنی خلفشار میں مبتلا ہوتی جارہی ہے۔

پھر عورت کا گھر سے یہ بے تحاشا خروج صرف اس کی صحت کی تباہی کا موجب نہیں بنتا۔ بلکہ پورے معاشرہ کے سقم اور بیماری کا ذریعہ بنتا جارہا ہے۔ وہ جدھر سے گذرتی ہے بے شمار نگاہوں کا نشانہ بنتی ہے، ایک مرد راستہ میں چلتے ہوئے ایک سے ایک جاذبِ نظر چہرہ دیکھتا ہے۔ اسے دفتر میں کارخانوں میں بے حجابانہ اختلاط اور بات چیت کے مواقع ملتے ہیں، اور یہ نظر بازی اس کے اپنے گھریلو نظام کو ہلا دیتی ہے۔ ذہنی انتشار، فاسد خیالات کا ہیجان جنسی اور جذباتی تلاطم، محبت وعشق کی آفتیں۔ الغرض یہ سب کچھ اس کے ذہنی اختلال، قلبی پریشانی اور اعصاب کے کھچاؤ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پھر دل کی بیماری جنسی اور اخلاقی بیماریوں ضعفِ بصارت دماغی عدم توازن، بلڈ پریشر اور اعصابی امراض کی شرح کا کسی پردہ دار معاشرہ سے موازنہ کرکے خود فیصلہ کرلیجیئے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ عورت کو تعلیم کی ضرورت ہے، اور اقتصادی حالات جداگانہ تعلیم کے متحمل نہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسی تعلیم تھی جسے عورت کیلئے بھی ضروری قرار دیا گیا تھا۔ عورت کے لئے اسلام کا تصورِ تعلیم قطعی وہ نہیں جو یورپ کی پیداوار ہے۔ وہ اس سے دفتر، کارخانہ اور فیکٹریوں کے فرائض نہیں وابستہ کرتا کہ اس کے لئے وہ عورت کو کلرک، انجینئر یا مزدور بنائے۔ اسلام کی تعلیم عورت کو ایک باسلیقہ وفاشعار، مہذب اور باحیا ذات بنانے کے لئے ہے۔ وہ اُس تعلیم کو اہمیت دیتا ہے جو عورت کو خدا ورسول شوہر اور خاندان کے حقوق اولاد کے حسنِ تربیت سے باخبر کردے اور اسکی گود بچوں کی اوّلین تربیت گاہ ثابت ہوسکے۔ اس تعلیم کے لئے یہ ہرگز لازم نہیں کہ وہ مخلوط درسگاہوں اور بے حجابانہ ہاسٹلوں میں گوہرِ حیا کی نیلامی کرتی پھرے۔

الغرض وہ تعلیم جو بے پردگی کا باعث ہو، شریعت اور اسلام اُس کا حکم نہیں دیتا۔ بے پردگی اگر اخلاق ومعاشرت،

صحت جسمانی و روحانی اور حسنِ سیرت کیلئے تباہ کن ہے تو جس تعلیم کے ذریعہ بے پردگی پھیلے گی شریعت ہرگز اس کی روادار نہ ہوگی، پھر تعلیم نسواں کی تاریخ دیکھئے، جب ظہورِ اسلام کے بعد حجاب اور عفت و عصمت کا دور دورہ ہوا اور عورت پردہ نشین ہوگئی تو اسلامی تاریخ میں تعلیم دین اور علوم و فنون سے آراستہ وہ خواتین نکلیں جن کے علوم سے، خانہ نشینی کے باوجود، ایک دنیا مستفید ہوتی رہی۔ پس اگر مفاسد اور موجبات فحشاء کے بغیر شرعی حدود پردہ میں رہ کر مسلمان خواتین علم و فضل میں ایک نمونہ پیش کر سکتی ہیں۔ تو مغرب کے بے حیاء عہدِ جاہلیت میں جو عورتیں باہر نکل بھی آئیں تو اسلامی علوم و فنون اور تعلیم اخلاق و تربیت معاشرہ میں کوئی ایک نمونہ بھی اس عہد جاہلیت نے پیش کیا علم حیاء سے حاصل ہوتا ہے۔ بے پردگی سے جب آنکھوں کا پانی اتر گیا تو علم حقیقی اور عملی ذہنیت بھی فنا ہوگئی، نئے دور کے علم نے مردوں کو کیا دیا سوائے چند انگریزی نظام کے پرزوں کے ہم اس تعلیم جدید کے لئے خواتین کی عظمت و حرمت بھی قربان کر دیں۔

الغرض پردہ کا حکم نہ فرسودہ روایات (معاذ اللہ) میں سے ہے نہ کسی رسم و رواج کی پیداوار، اسلام عصمت و عفت کا محافظ ہے۔ وہ فحشاء اور منکرات کا ہرگز روادار نہیں جہاں بھی فحشاء اور فواحش کے احتمالات زیادہ ہوں گے۔ پردہ کے احکام میں اتنی ہی شدت پیدا ہوگی۔ اور جہاں فحشاء کا احتمال نہ ہوگا عصمت و عفت کے پہرے سخت ہوں گے۔ وہاں اس میں نرمی اور وسعت پیدا ہوگی پس جو لوگ مصلح اور ماڈرن ریفارمر بننے کے شوق میں اسلام کے ایک مضبوط نظام کو نشانہ بنانا چاہیں وہ ایسی "اصلاحات" کا انجام یورپی اقوام میں دیکھ لیں کہ وہ بے پردگی اور فحاشی کے ہاتھوں کس قعر مذلت میں پہنچ چکا ہے ـــــ پھر انہیں عالم اسلام کے اس قسم کے نام نہاد مصلحین سے سبق لینا چاہئے جنہوں نے ترکی وغیرہ میں تقلید یہود و نصاریٰ کی خاطر اسلام کے ایک مستحکم نظام کو متزلزل کرنا چاہا، اور ان کا یہ اقدام ایک طرف قوم کی معاشرتی، اخلاقی قدروں کی بربادی اور دوسری طرف "مصلحین" ابدی ذلت اور مسلمانوں کے قلوب کی نفرت و ملامت کے مستحق بنے۔

سمیع الحق

واللہ یقول الحق وھو یہدی السبیل